www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

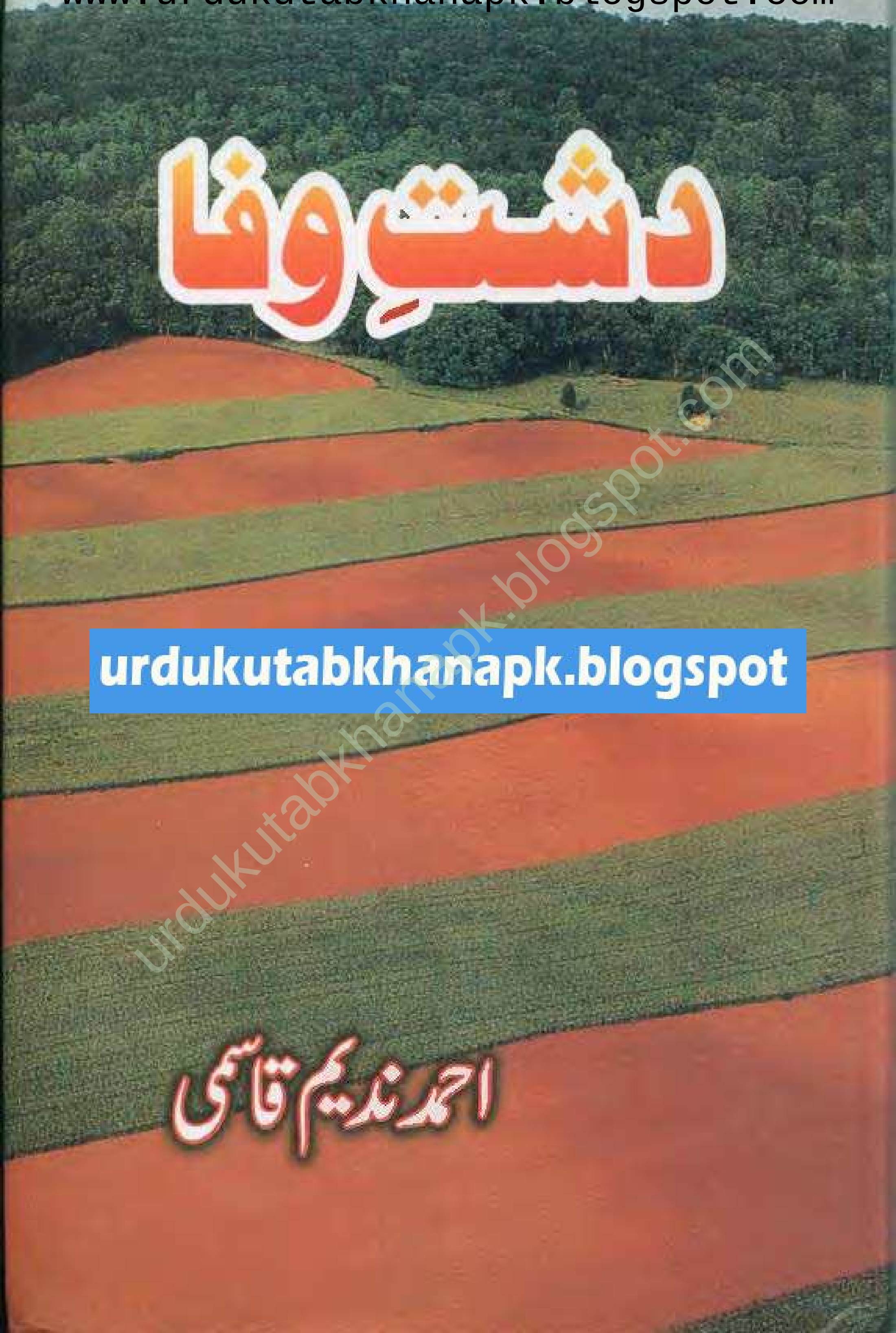

urdukutabkhanapk.blogspot
urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

دشتِ وفا

(شاعری)

احمد ندیم قاسمی

اردو کتب خانہ
URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT
urdukutabkhanapk.blogspot.com

اساطیر۔ لاہور

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ

کتاب	دشتِ وفا
اہتمام	منصورہ احمد (اساطیر)
کتابت	محمد حسین شاہ
سرورق	آغا نثار
مطبع	شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور
تعداد	ایک ہزار
سنہ اشاعت	مارچ 2000 (اکیسواں ایڈیشن)
قیمت	260 روپے

اساطیر

میاں چیمبرز، 3 ٹیمپل روڈ، لاہور

فون 6304820

اِنتساب

اک کشتۂ غم پہ مہرباں ہو — تم کتنے عجیب حکمراں ہو
تم حسن کا نقشِ جاوداں ہو — تم میری وفا کا امتحاں ہو
تم میرے یقیں ہو یا گماں ہو — میرے ہو مگر مرے کہاں ہو
ہو لالۂ دشتِ نارسائی — لیکن مرے خون میں رواں ہو
برسوں کی جدائی کی قسم ہے — تم وقت کی طرح بیکراں ہو
بکھری ہوئی کائناتِ دل پر — چھائے ہوئے مثلِ آسماں ہو

سوگند ہے مجھے خلوصِ فن کی
تم میری نفاستِ بیاں ہو

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

فہرس

۱— حرفِ اوّل ، ۱۵
۲— اجمالاً (فراق گورکھپوری) ، ۱۷
۳— دشتِ وفا ، ۱۹
۴— ایوانِ سحر میں ، ۲۰
۵— گرد ضد میں تا کمر گیا چاند ، ۲۵
۶— حیراں حیراں کونپل کونپل ، کیسے کھلتے پھول یہاں ، ۲۷
۷— شباب کے پھول ، ۲۸
۸— شام کو صبحِ چمن یاد آئی ، ۲۹
۹— منظر اور پس منظر ، ۳۰
۱۰— تاریخ ، ۳۲
۱۱— دردِ وطن ، ۳۳
۱۲— سونا ، ۳۴

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۱۳— روایت ، ۳۵
۱۴— پلک پلک پہ جلائے ہیں اشکِ تر کے چراغ ، ۳۶
۱۵— فکر ، ۳۷
۱۶— قطعہ ، ۳۹
۱۷— یہاں سے وہاں تک ، ۴۰
۱۸— پابندی ، ۴۴
۱۹— لالہ وگل کے جو سامان بہم ہو جاتے ، ۴۵
۲۰— شام کب آگئی ، ۴۶
۲۱— سوچتا ہوں ، ۴۸
۲۲— قطعہ ، ۴۹
۲۳— اب ساری خدائی ہے تماشائی ہماری ، ۵۰
۲۴— تین اشعار ، ۵۱
۲۵— محفلِ شب ، ۵۲
۲۶— حسن وجمال کا واسطہ ، ۵۷
۲۷— خود فریبی کے نکل آئے ہیں کتنے پہلو ، ۵۹
۲۸— قطعہ ، ۶۱
۲۹— انجمنیں اُجڑ گئیں، اُٹھ گئے اہلِ انجمن ، ۶۲
۳۰— تُو جو بدلا تو زمانہ ہی بدل جائے گا ، ۶۳
۳۱— امکان ، ۶۴
۳۲— سفر اور ہم سفر ، ۶۵
۳۳— بزمِ انساں میں بھی اک رات بسر کر دیکھو ، ۶۶
۳۴— کیا بھروسا ہو کسی ہمدم کا ، ۶۷
۳۵— قطعہ ، ۶۹

۳۶— نیا فلک ہو رہا ہے پیدا، نئے ستارے نکل رہے ہیں ، ۷۰
۳۷— کتنے خورشید بیک وقت نکل آئے ہیں ، ۷۱
۳۸— نہ محبت نہ صباحت فانی ، ۷۲
۳۹— اک دمکتا ذہن بھی ہوں، اک سُلگتا دل بھی ہوں ، ۷۵
۴۰— راستے ، ۷۷
۴۱— ہم اپنے چراغ کیوں بجھائیں ، ۷۹
۴۲— گجر بجا دو ، ۸۱
۴۳— وہ دھندلکا جسے سب حدِ نظر کہتے ہیں ، ۸۴
۴۴— حُسن ، ۸۵
۴۵— تجدید ، ۸۹
۴۶— چلے بہشت سے ہم نکہتِ بہار کے ساتھ ، ۹۰
۴۷— ایشیا ، ۹۱
۴۸— جیسے جیسے لوگ حق کے راز داں بنتے گئے ، ۹۲
۴۹— یاد ، ۹۴
۵۰— پھر یاد وہ مہ جمال آیا ، ۹۶
۵۱— قطعہ ، ۹۸
۵۲— ہم ، ۹۹
۵۳— ایک منظر ، ۱۰۱
۵۴— قطعہ ، ۱۰۳
۵۵— کھنڈر ، ۱۰۴
۵۶— لبِ خاموش سے افشا ہوگا ، ۱۰۵
۵۷— قطعہ ، ۱۰۷
۵۸— دعوت ، ۱۰۸
۵۹— قطعہ ، ۱۰۹

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۶۰— تضاد ، ۱۱۰
۶۱— قطعہ ، ۱۱۱
۶۲— قطعہ ، ۱۱۲

حبسیات

۶۳— ایک شعر ، ۱۱۴
۶۴— قطعہ ، ۱۱۵
۶۵— فاصلے کے معنی کا کیوں فریب کھاتے ہو ، ۱۱۶
۶۶— قطعہ ، ۱۱۷
۶۷— بارش ، ۱۱۸
۶۸— قطعہ ، ۱۱۹
۶۹— مر کر بھی نہ ہوں گے رائیگاں ہم ، ۱۲۰
۷۰— قطعہ ، ۱۲۱
۷۱— قطعہ ، ۱۲۲
۷۲— ایک رات ، ۱۲۳
۷۳— قطعہ ، ۱۲۵
۷۴— قطعہ ، ۱۲۶
۷۵— دامن کو نہ تار تار کر لے ، ۱۲۷
۷۶— قطعہ ، ۱۲۹
۷۷— اشعار ، ۱۳۰
۷۸— قطعہ ، ۱۳۱
۷۹— پرواز کو محدود نہ کر شام و سحر تک ، ۱۳۲
۸۰— قطعہ ، ۱۳۴

۸۱— قطعہ ، ۱۳۵
۸۲— صبحِ آگہی ، ۱۳۶
۸۳— قطعہ ، ۱۳۸
۸۴— تیری محفل بھی مداوا نہیں تنہائی کا ، ۱۳۹
۸۵— قطعہ ، ۱۴۱
۸۶— ایک شعر ، ۱۴۲

۸۷— پس پردہ ، ۱۴۳
۸۸— قطعہ ، ۱۴۶
۸۹— ایک جھونکا ، ۱۴۷
۹۰— کچھ دل سے نگاہ بدگماں ہے ، ۱۴۹
۹۱— میں ہوں یا تو ہے خود اپنے سے گریزاں جیسے ، ۱۵۱
۹۲— خشک پتے ، ۱۵۴
۹۳— شانِ عطا کو تیری عطا کی خبر نہ ہو ، ۱۵۶
۹۴— قطعہ ، ۱۵۸
۹۵— یوں تو اس جلوہ گہہ حسن میں کیا کیا دیکھا ، ۱۵۹
۹۶— نیا سال ، ۱۶۱
۹۷— قطعہ ، ۱۵۸
۹۸— نارسائی کی قسم، اتنا سمجھ میں آیا ، ۱۶۴
۹۹— یاد کا چاند ، ۱۶۶
۱۰۰— سانس لینا بھی سزا لگتا ہے ، ۱۶۷
۱۰۱— کتنے نالے تھے جو شرمندۂ تاثیر ہوئے ، ۱۶۹
۱۰۲— اے مشیت، تری قوت کو سلام ، ۱۷۱

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۱۰۳— کون جگ میں ترا ہمسر دیکھے ، ۱۷۳
۱۰۴— نذرِ فن کارانِ وطن ، ۱۷۵
۱۰۵— شامِ فراق ، ۱۷۸
۱۰۶— توحید ، ۱۸۰
۱۰۷— تہذیب ، ۱۸۲
۱۰۸— قطعہ ، ۱۸۳
۱۰۹— سچ ، ۱۸۴
۱۱۰— یہاں سے دُور نہ ہوگا دیارِ موسمِ گل ، ۱۸۶
۱۱۱— دعویٰ تو کیا حسنِ جہاں سوز کا سب نے ، ۱۸۸
۱۱۲— گل ترا رنگ چُرا لائے ہیں گلزاروں میں ، ۱۸۹
۱۱۳— انقلاب اپنا کام کرکے رہا ، ۱۹۱
۱۱۴— خدیجہ زہرہ ، ۱۹۳
۱۱۵— بیکار ہے گرہ ترے بندِ نقاب کی ، ۱۹۵
۱۱۶— تین سرزمینیں ، ۱۹۷
۱۱۷— اپنی آنکھوں میں بسالی تری حیرت میں نے ، ۱۹۹
۱۱۸— ہر ذہن میں منزل کا تصور تھا ہوائی ، ۲۰۱
۱۱۹— قطعہ ، ۲۰۳
۱۲۰— مرا غرور، تجھے کھو کے ہار مان گیا ، ۲۰۴
۱۲۱— ڈھلان ، ۲۰۵
۱۲۲— ہنسی آتی ہے مجھ کو امتیازِ دشت و گلشن پر ، ۲۰۶
۱۲۳— دیوانہ ، ۲۰۸
۱۲۴— ذہنا بیچتی ہوئی آنسو، ہوا بھرتی ہوئی آہیں ، ۲۰۹
۱۲۵— بہار ، ۲۱۱

۱۲۶— یہ راز ہے جواز مرے انتظار کا ، ۲۱۲
۱۲۷— یہ ستارے ، ۲۱۴
۱۲۸— آ گیا راس شکستوں کا شمار آخرِ کار ، ۲۱۵
۱۲۹— مراجعت ، ۲۱۷
۱۳۰— قطعہ ، ۲۱۹
۱۳۱— جدید انسان ، ۲۲۰
۱۳۲— محور ہے یہی خواجگیِ کون و مکاں کا ، ۲۲۲
۱۳۳— روح لبوں تک آکر سوچے ، ۲۲۳
۱۳۴— قطعہ ، ۲۲۵
۱۳۵— فنونِ لطیفہ ، ۲۲۶
۱۳۶— کون سنے ، ۲۲۸
۱۳۷— عرش پر جا کے بھی جو خاک نشیں ہوتا ہے ، ۲۳۰
۱۳۸— تو بگڑتا بھی ہے خاص اپنے ہی انداز کے ساتھ ، ۲۳۱
۱۳۹— سوداگریِ حسنِ سخن ، ۲۳۳
۱۴۰— شبِ فراق کو جب مژدۂ سحر آیا ، ۲۳۴
۱۴۱— قطعہ ، ۲۳۵
۱۴۲— یوں تو پہنے ہوئے پیراہنِ خار آتا ہوں ، ۲۳۶
۱۴۳— کیا کہوں، اب تجھ کو اپنا کر بھی کیوں افسردہ ہوں ، ۲۳۸
۱۴۴— جنگل کی آگ ، ۲۳۹
۱۴۵— دیارِ عشق کا یہ حادثہ عجیب سا تھا ، ۲۴۰
۱۴۶— پھولوں سے لو کیسے ٹپکتا ہوا دیکھوں ، ۲۴۱
۱۴۷— قطعہ ،
۱۴۸— وہی بہشت کی رعنائیوں سے بیزاری ، ۲۴۴

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۱۴۹ — طوائف ، ۲۴۶
۱۵۰ — کٹی پتنگ ہے ساری دُنیا کی نظروں میں سمائی ہوئی ، ۲۴۸
۱۵۱ — ریستوران ، ۲۵۰
۱۵۲ — پھول ہیں گلشن میں کچھ خوابیدہ، کچھ بیدار سے ، ۲۵۳
۱۵۳ — جواز ، ۲۵۵
۱۵۴ — ہجر و وصال ، ۲۵۷
۱۵۵ — مشرق و مغرب ، ۲۵۹
۱۵۶ — **فردیات** ، ۲۶۵
۱۵۷ — تکملہ (ندیم کی شاعری) مولانا غلام رسول مہر، ۲۷۳

حرفِ اوّل

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

(غالب)

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اجمالاً

مکروہات اور مصروفیاتِ زندگی نے مجھے اس سعادت سے ان دنوں محروم کر رکھا ہے کہ کسی بڑے اور کامیاب شاعر کے کارناموں پر کچھ جم کر لکھ سکوں۔ اسی لیے احمد ندیم قاسمی کی شاعری پر اپنے تاثرات اجمالی طور پر ظاہر کر رہا ہوں۔

ندیم کی آواز جداگانہ انفرادیت اور شخصیت رکھتی ہے۔ آج ہمارے چوٹی کے شاعروں میں ندیم ایک ممتاز مقام پر نظر آ رہے ہیں۔ ان کی آواز نے تہذیب و تربیت یافتہ قلوب میں گھر بنا لیا ہے اور اگر ایسے قلوب بھی ہیں جن میں ابھی ندیم کی آواز نے گھر نہیں بنایا تو اسے ان قلوب میں گھر بنا لینا چاہیے۔

ندیم کے اشعار میں زندگی اور مسائلِ زندگی کی بھرپور چوٹیں ہیں۔ ان کی آواز میں زندگی کے خواب، زندگی کے درد، زندگی کی فتوحات اور ان فتوحات سے بڑھ کر اہم چیز، زندگی کی شکستیں، گہرے اور پُرخلوص سوچ کے عناصر، سب مل کر حل ہو گئے ہیں، اور ان کے نغمے فضائے زندگی میں وہ گونج پیدا کر رہے ہیں۔ وہ جھنکاریں اُبھار رہے ہیں۔ اس کھنک کو جنم دے رہے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہیں جو شاعر اور شاعری کو لازوال بنا دیتی ہیں اور جو ہمیں زندگی کی گہرائیوں اور بلندیوں کی سیر
کراتی ہیں اور بہت دُور تک سیر کراتی ہیں اور ہماری زندگی کو ناقابلِ فراموش تجربات سے اور
اَن مول احساسات سے مالا مال کر دیتی ہیں۔

پنجاب کی سرزمین سے ہی ایسا شاعر اُٹھ سکتا تھا جس کی شخصیت میں نرمی اور کس بل
کا حسین ترین سنگم نظر آئے اور توانائی اور نزاکت جس کی شاعری کی جان ہو۔ ندیم کے اشعار
کے پیچھے لمبے اور گہرے سوچ کا بہت بڑا پس منظر ہوتا ہے۔ یہی سوچ ان کے کلام میں وہ
چوٹیلا پن اور وہ کاٹ پیدا کر دیتا ہے جو صحت مند شاعری کی خصوصیت ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ ندیم ہرگز کسی سطحی رو کے تحت شعر نہیں کہتے، بلکہ بہت ڈوب کر
شعر کہتے ہیں۔ ان کی آواز میں جھول نہیں پڑتا۔ ان کی آواز کی رگیں ڈھیلی نہیں ہیں۔ ان کی
شاعری ان کی ریاضتِ داخلی کی پیداوار ہے جو ان کے موضوعات کو جلال و جمال بخشی ہے۔
جو ان کے الفاظ کی "رِم جھِم" کو گہربار بنا دیتی ہے — جو "شعلۂ گل" میں کوندے کی لپک
پیدا کر دیتی ہے اور "دشتِ وفا" میں پُروقار محبت کے پھول کھلاتی ہے جو ذات اور کائنات
کو ہم آہنگ کر دیتی ہے۔

فراقؔ گورکھپوری

الٰہ آباد (ہند)
۲۰ نومبر ۱۹۶۱ء

دشتِ وفا

دوست کہتے ہیں — "ترے دشتِ وفا میں، کیسے
اتنی خوشبو ہے، مہکتا ہو گلستاں جیسے ؟"

گو بڑی چیز ہے غم خواریِ اربابِ وفا
کتنے بیگانۂ آئینِ وفا ہیں یہ لوگ
زخم در زخم محبت کے چمن زار میں بھی
فقط اک غنچۂ منطق کے گدا ہیں یہ لوگ

میں انھیں گلشنِ احساس دکھاؤں کیسے
جن کی پروازِ بصیرت پرِ بلبل تک ہے
وہ نہ دیکھیں گے کبھی حدِ نظر سے آگے
اور مری حدِ نظر، حدِ تخیل تک ہے

دل کے بھیدوں کو بھی منطق میں جو الجھاتے ہیں
یوں سمجھ لیں — کہ ببولوں میں بھی پھول آتے ہیں

دسمبر ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایوانِ سحر میں

یہ شب ہے یا مرے دل کا سکوتِ بے پایاں
یہ دل ہے یا مرے مرقد پہ جل رہا ہے چراغ
کچھ ایسے ٹوٹ رہی ہیں رگیں تخیل کی
کہ جیسے تندیِ مے سے چٹخ رہا ہو ایاغ
ہوا چلی، کہ مشیت کو دل لگی سوجھی
سمندروں سے نہ پوچھو کبھی صدف کا سراغ

ہر ایک چیز میں گہرائی ہے، تحیر ہے
ہوا کے بھیس میں اُمڈے سکوت کے دھارے
یہاں تو گُل بھی مرے ہم نصیب ہی نکلے
کہ تیرگی میں گھُلے جا رہے ہیں بے چارے
اندھیری شام سے محسوس ہو رہا ہے مجھے
کہ جیسے جھیل کی تہ تک اُتر گئے تارے

نشیبِ شام سے بُرجِ سحر کی چوٹی تک
تمام رینگتے کہرے، تمام سناٹے
تھکے تھکے ہیں کچھ اس طرح وقت کے تیور
کہ جیسے شیر، ہرن کو چبا کے لب چاٹے
سُنا ہے، ایسی ہی شب ہائے تار میں جن میں
بڑے وقار سے اجداد نے سفر کاٹے

مری نگاہ سے اوجھل ہے کاروانِ سحر
مگر جرس کی صدا تھی کہ رات بھر نہ تھمی
بچھے تھے اوس کے موتی قبائے گلشن پر
مجھے یہ وہم، کہ آغوشِ گُل میں برف جمی
جو آنسوؤں نے سرِ بام دل جلائے تھے
بجھا گئی وہ دیے، دامنِ صبا کی نمی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

افق لرزنے لگا، رات کے قدم اُکھڑے
سحر کے بند دریچے پہ کیوں نہ دستک دوں
ستارۂ سحری نے مجھے نہ پہچانا
تو کیا وطن میں پہنچ کر بھی اجنبی ہی رہوں؟
یہ اور بات، مجھے تابِ ضبط ہو کہ نہ ہو
سحر کی انجمنِ نور میں قدم تو دھر دوں

قدم بڑھا تو چھنکنے لگی ہیں زنجیریں
نظر اُٹھی تو دکھائی دیئے کئی احباب
کسی کے دوش پہ ہل تھا، کسی کے ہاتھ میں پھل
کسی کے پاس درانتی، کسی کے پاس کتاب
دمک رہا تھا وہ پندار ان کے چہروں پر
دیا ہے اہلِ حکم نے جسے جنوں کا خطاب

مگر عجب کہ عروسِ سحر ہوئی بیدار
تنی ہوئی ہے فضا پر بسیط انگڑائی
اُٹھی افق سے وہ محبوبۂ شگفتہ مزاج
جو شب کو پردہ نشیں تھی تو دن کو ہرجائی
زمیں سے تا بہ فلک رنگ لہلہانے لگے
مگر یہ دھند سی کیسا ذہن پر اُتر آئی

میں سوچتا ہوں، سحر نے مجھے شعور دیا
مگر یہی، کہ سلاسل کے سلسلے ہیں طویل
پگھل رہی ہیں شعاعیں۔ ابل رہا ہے لہو
اُمڈ رہی ہے تجلی — اُبھر رہی ہے فصیل
چمک تو خوب تھی لیکن جھلس گئے ہیں بدن
نہ جانے شعلۂ نمرود تھا کہ باغِ خلیل

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سحر کا ایک ہی مفہوم ہے — طلوعِ سحر
مجھے فریب نہ دیں روشنی کی تفسیریں

شگفتِ گُل کو تو ہے انتظارِ موسمِ گُل
وہ لاکھ نوکِ سناں سے کلی کا دل چیریں

کچھ اور نام ہے اس کا، یہ فصلِ گُل تو نہیں
کہ بوئے گُل کے لیے ڈھل رہی ہیں زنجیریں

نومبر ۱۹۵۲ء

غزل

گو دُھند میں تاکمر گیا چاند
نظروں میں مگر ٹھہر گیا چاند

شبنم کو شرار کر گیا چاند
آنکھوں میں غبار بھر گیا چاند

راہوں کو ٹٹولتے رہے تم
بادل میں اُدھر اُتر گیا چاند

جب ہجر کی رات چاند ڈوبا
دل چیخ اُٹھا کہ مر گیا چاند

اے دردِ فراق کے اندھیرو
کیا ہو گئے گُل؟ کدھر گیا چاند

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اُجلا سا غبار ہے اُفق پر
اس راہ سے کس کے گھر گیا چاند

اے ٹوٹتے آسرے، لُٹے ہم
اے سوچتے رہگزر، گیا چاند

تم کاش، کرن کی چاپ سُنتے
میرے لیے دربدر گیا چاند

اب آئے ہو آفتاب لے کر
ظلمات سے جب گزر گیا چاند

آنسو بھی نہیں کہ دل کو رولیں
تارے بھی گئے، جدھر گیا چاند

دسمبر ۱۹۵۲ء

غزل

حیراں حیراں کونپل کونپل، کیسے کھلتے پھول یہاں
تنے ہوئے کانٹوں کے ڈر سے پُوجی گئی ببول یہاں

کلیاں نوکِ سناں سے چٹکیں، غنچے کٹ کے شگفتہ ہوئے
کاش یہ فصلِ خونِ بہاراں اور نہ کھینچے طول یہاں

شاید آج بھی جاری ہے آدم کا سلسلۂ اُفتاد
بھی نہ وہاں جنّت بھی گوارا اور قبول ہے دھول یہاں

یارو یہ سنّاٹا توڑو، گیت نہیں تو چیخ سہی،
رُلوانا قانون یہاں کا، رولینا معمول یہاں

پل پل میں تاریخ چھپی ہے، گھڑی گھڑی گرداں ہے ندیم
ایک صدی کی ہار بنے گی ایک نظر کی بھول یہاں

دسمبر ۱۹۵۲ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

شباب کے پھول

میں زندگی کی خزاں سے اپنے شباب کے پھول مانگتا ہوں
وہ پھول جن سے بہار کی رہگزر پہ میں نے دیئے جلائے
بہار کی دیویوں کے قدموں کی چاپ کانوں میں گونجتی تھی
مرے ترستے ہوئے خیالوں کے آسمانوں میں گونجتی تھی
افق تک اپنے قلم سے میں نے شباب کے پھول یوں بچھائے
کہ جب بہاریں یہاں سے گزریں تو میری فنکار ساتھ جائے
میں زندگی کی خزاں سے اپنے شباب کے پھول مانگتا ہوں
وہ پھول جن پر بہار کے روپ میں چلے گردبادِ صحرا
وہ پھول وہ میرے شاہپارے مری امیدیں مرے ارادے
شفق میں ڈوبے ہوئے پھریرے لہو میں بھیگے ہوئے لبادے
یہاں سے وہ قافلے نہ گزرے فضا میں گونجی تھی چاپ جن کی
میں عمر بھر منتظر رہا ہوں گواہ گردش ہے رات دن کی
میں زندگی کی خزاں سے اپنے شباب کے پھول مانگتا ہوں

غزل

شام کو صبحِ چمن یاد آئی
کس کی خوشبوئے بدن یاد آئی

جب خیالوں میں کوئی موڑ آیا
تیرے گیسو کی شکن یاد آئی

یاد آئے ترے پیکر کے خطوط
اپنی کوتاہیِ فن یاد آئی

چاند جب دور افق پر ڈوبا
تیرے لہجے کی تھکن یاد آئی

دن شعاعوں سے الجھتے گزرا
زات آئی تو کرن یاد آئی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

منظر اور پس منظر

احساس کے داغ جل رہے ہیں
ذہنوں میں چراغ جل رہے ہیں
پربت کی طرح ہے رات بھاری
خاموش ہے کائنات ساری
پلکوں سے جب اشک پھوٹتا ہے
دھرتی کا جمود ٹوٹتا ہے

جھرنوں کی صدائیں آ رہی ہیں
پیڑوں میں ہوائیں گا رہی ہیں
جھیلوں میں نہا رہے ہیں تارے
پانی کو جلا رہے ہیں تارے
وادی میں بکھر گئے ہیں جگنو
سبزے میں اُتر گئے ہیں جگنو

آنکھوں میں لیے اجاڑ بن سے
ہم لوگ تو چور ہیں تھکن سے
راتوں سے اٹی ہوئی نگاہیں
صدیوں سے ٹٹولتی ہیں راہیں
منظر کو یہ ضد ہے مسکرائیں
ہونٹوں کی نمی کہاں سے لائیں

اگست ۱۹۵۲ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

تاریخ

راہوں پہ جھکی ہوئی چٹانیں
دھرتی کی جلی ہوئی زبانیں
صدیوں کی صداؤں کو سمیٹے
عمروں کے غبار کو لپیٹے
بڑھتا ہے مجھے دیکھ کر فضائیں
کہتی ہیں سکوت کی صدائیں
تاریخ کی آگ جل رہی ہے
اِک اور زبان نکل رہی ہے

اگست ۱۹۵۳ء

—

دردِ وطن

ہم سیاست سے محبت کا چلن مانگتے ہیں
شبِ صحرا سے مگر صبحِ چمن مانگتے ہیں
وہ جو اُبھرا بھی تو بادل میں لپٹ کر اُبھرا
اسی بچھڑے ہوئے سورج سے کرن مانگتے ہیں
کچھ نہیں مانگتے ہم لوگ، بجز اذنِ کلام
ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں
ایسے غنچے بھی تو گل چیں کی قبا میں ہیں اسیر
بات کرنے کو جو اپنا ہی دہن مانگتے ہیں
فقط اس جرم میں کہلائے گنہ گار، کہ ہم
بہرِ ناموسِ وطن، جامۂ تن مانگتے ہیں
ہم کو مطلوب ہے تکریمِ قد و گیسو کی
آپ کہتے ہیں کہ ہم دار و رسن مانگتے ہیں
لمحہ بھر کو تو لبھا جاتے ہیں نعرے لیکن
ہم تو اے اہلِ وطن، دردِ وطن مانگتے ہیں

اگست ۱۹۵۳ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سونا

تم کہتے ہو آفتاب اُبھرا
میں کہتا ہوں جل رہا ہے سونا
پیڑوں سے گزر رہی ہیں کرنیں
ہاتھوں سے نکل رہا ہے سونا
مشرق کی تمازتِ انا سے
مغرب میں پگھل رہا ہے سونا

ستمبر ۱۹۵۲ء

روایت

قدموں کے نقوش ہوں کہ چہرے
قبروں کے گُلاب ہوں کہ سہرے
تاریخ کے بولتے نشاں ہیں
تہذیب کے سلسلے رواں ہیں
یہ رسمِ جہاں قدیم سے ہے
آدم کا بھرم ندیم سے ہے

ستمبر ۱۹۵۳ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

پلک پلک پہ جلائے ہیں اشکِ تر کے چراغ
بھڑک اُٹھے ہیں شبِ ہجر کی سحر کے چراغ

جدائیوں کے گھنے جنگلوں میں عمر کٹی
لویں سمیٹ کے سوتے رہے سفر کے چراغ

یہ گُل ہیں یا ترے روکے ہُوئے تبسم ہیں
یہ کون دشت میں لایا ہے میرے گھر کے چراغ

جھکا لیا ہے بھری ڈالیوں کو کلیوں نے
بجھا رہا ہے کوئی میرے بام و در کے چراغ

مسافروں سے کہو، رات سے شکست نہ کھائیں
میں لا رہا ہوں خود اپنے لہو سے بھر کے چراغ

مکالماتِ فلاطوں ہوں یا ندیم کے شعر
کوئی بجھا نہ سکا فطرتِ بشر کے چراغ

نومبر ۱۹۵۳ء

فکر

راتوں کی بسیط خامشی میں
جب چاند کو نیند آ رہی ہو
پھولوں سے لدی خمیدہ ڈالی
لوری کی فضا بنا رہی ہو

جب جھیل کے آئینے میں گھُل کر
تاروں کا خرام کھو گیا ہو
ہر پیڑ بنا ہُوا ہو تصویر
ہر پھول سوال ہو گیا ہو

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جب خاک سے رفعتِ سما تک
اُبھری ہوئی وقت کی شکن ہو
جب میرے خیال سے خدا تک
صدیوں کا سکوت خیمہ زن ہو

اُس وقت مرے سلگتے دل پر
شبنم سی اُتارتا ہے کوئی
یزداں کے حریمِ بے نشاں سے
انساں کو پکارتا ہے کوئی

دسمبر ۱۹۵۳ء

قطعہ

چاند نکلا ہے سرِ بام لبِ بام آؤ
دل میں اندیشۂ انجام نہ آنے پائے
کچھ اس انداز سے اُترو مری تنہائی میں
کھوج میں گردشِ ایام نہ آنے پائے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

یہاں سے وہاں تک

مژدۂ عشرتِ جمہور ہو یا وعدۂ وصل
ایک احساس کے دو رُخ ہیں — جدید اور قدیم
آندھیاں ہانپتی ہیں جیسے گھنے جنگل میں
گنگناتی ہے اسی طرح گلستاں میں نسیم
شب حقیقت ہے مگر اس کے بھی دو پہلو ہیں
چاند نکلا ہے سرِ کلبۂ احزانِ ندیم
کائنات ایک لڑی ہے کئی دنیاؤں کی
میں نے دیکھا ہے مگر دانۂ گندم بھی دو نیم
ان کا مقصد فقط آرائشِ تن، حفظِ بدن
وہ سکندر کی عبا ہو کہ قلندر کی گلیم
ایک گل تھا، مگر اندازِ نظر کے فتنے!
ایک کو رنگ جچا، ایک کو راس آئی شمیم

عظمتِ فن کا تقاضا ہے کہ رعنائیِ فن
یوں حقیقت کو سمیٹے کہ حقیقت ہو جائے
اس کی خلوت بھی جہانگیر ہو، جلوت بھی عظیم
اس کا اک پل بھی مجسم ابدیت ہو جائے
جوئے کہسار ہیں، پتھر کا بنا کر زینہ
پنڈلیاں کھول کے اُتری ہیں حسینائیں چند
کس کو اپناؤں تو کس کو نظرانداز کروں
ایک صف میں نظر آتی ہیں تمنائیں چند
ذہن کس مصر کے بازار میں لے آیا ہے
ایک یوسف کی خریدار زلیخائیں چند
اس کی آنکھوں میں نئی صبح کا شرمیلا پن
اُس کے ہونٹوں پہ کلی جیسے چٹکنے والی
اس کی ٹھوڑی میں ضیا بار، سحر کا تارا
اُس کے عارض میں اُفق تابِ شفق کی لالی
اس کے ابرو ہیں کہ غالب کی غزل کا مطلع
اُس کا ملبوس ہے یا تاج محل کی جالی
ان کو دیکھوں تو قیامت، جو نہ دیکھوں تو مجھے
وسعتِ دہر نظر آتی ہے خالی خالی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اک حسینہ ہو کہ جمگھٹ ہوں حسیناؤں کے
حسن اور اک گدازی سے نہیں باز آتا
یہ بصارت کی بشیتیں ہیں بڑی جیسینہ اگر
کاش فنکار کو پرواز کا انداز آتا

یہی پرواز — یہی سلسلۂ فکر رسا
اک حسینہ کے گھروندے میں مجھے لے آیا
میں سمجھتا تھا کہ معراج ہے آدم کی یہی
اور انسان کے آغاز کا نقشہ پایا

حلقۂ آسیہ میں حسن کی باہیں تھیں اسیر
اسی چکر میں مرا حسنِ نظر چکرایا
ہاں — یہی قوتِ تخلیق ہے تہذیب طراز
ہاں — یہی قوتِ تخلیق رہی بے مایہ

چاکِ دامن سے شفق بن کے جھلکتا ہے بدن
اور ماتھے پہ فروزاں ہے ستاروں کی تھکن
بکھرے بالوں میں ہے عنبر کے دھوئیں کا انداز
سرخیٔ لب میں سلگتا ہے جوانی کا چمن

چاکِ دامن کو سیوں یا حُسنِ بدن کو دیکھوں!
ہائے کس طرح حقیقت کو سمیٹے مرا فن

یہ حقیقت بھی تو ہے حسن کی مانند عظیم
ہل کی ہتھی پہ اُتر آئے ہیں ہاتھوں کے نشاں
نظر افروز ہے پکتے ہوئے کھیتوں کا شباب
اور دل دوز ہے لُٹتی ہوئی فصلوں کا سماں

یہ مسافت بھی تو فن کار کو طے کرنا ہے
کس کی محنت کا ثمر، جا کے ٹپکتا ہے کہاں
یہ مسافت — یہ حقیقت کا بتدریج ادراک
شعر کا حسن بھی ہے، حسن کا عرفان بھی ہے
فصل سے قصر تک اُلجھے ہوئے رشتوں کا سراغ
فن کی پہچان بھی ہے، فن کا نگہبان بھی ہے

ایک پہلو میں بھی رکھتی ہے ہزاروں پہلو
میری دنیا کہ جو گل پوش بھی، ویران بھی ہے
سخت مشکل ہے کہ فن کار کہستاں کاٹے
اک ذرا درد میسّر ہو تو آسان بھی ہے

گُل کو دیکھوں تو نہ بھولے مجھے گلکار کا حُسن
یہ لطافت مرا مقصد بھی ہے، ایمان بھی ہے
مثلِ خورشید ہوئی ہے اُفقِ فن پہ طلوع
یہ حقیقت کہ جو شاعر ہے وہ انسان بھی ہے

فروری ۱۹۵۴ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

پابندی

میرے آقا کو گلہ ہے کہ مری حق گوئی
راز کیوں کھولتی ہے

اور میں پوچھتا ہوں — تیری سیاست فن میں
زہر کیوں گھولتی ہے

میں وہ موتی نہ بنوں گا جسے ساحل کی ہوا
رات دن رولتی ہے

یوں بھی ہوتا ہے کہ آندھی کے مقابل چڑیا
اپنے پر تولتی ہے

اک بھڑکتے ہوئے شعلے پہ ٹپک جائے اگر
بوند بھی بولتی ہے

اپریل ۵۴ ۱۹ء

غزل

لالہ و گل کے جو سامان بہم ہو جاتے
فاصلے دشت و چمن زار میں کم ہو جاتے

ہم نے ہر غم سے نکھاری ہیں تمھاری یادیں
ہم کوئی تم تھے کہ وابستۂ غم ہو جاتے

ق

خود کو کھویا تو نہیں، تم کو نہ پایا، نہ سہی
تم کو پاتے تو اسی کیف میں ضم ہو جاتے

صرف ہم پر ہی نہ یہ حادثہ ہوتا موقوف
تم بھی اک معبدِ ویراں کے صنم ہو جاتے

فقط اک ذوقِ پرستش کی نقوش آرائی
دَیر اگر دَیر نہ ہوتے تو حرم ہو جاتے

ہم اگر دار پہ کھنچتے بھی تو لے صاحبِ دار
اپنی ناکردہ گنہ ہی کی قسم ہو جاتے

جون ۵۴ ۱۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

شام کب آ گئی

کتنی شدت سے یہ رات خاموش ہے
کتنی لامنتہی، کس قدر بے کراں
ایک پتہ بھی گرتا ہے جب گھاس پر
مجھ کو ہوتا ہے جھنکار کا سا گماں

ایک روندی ہوئی فصلِ گل کی طرح
چاندنی شاہراہوں پہ سوئی ہوئی
اک لٹی ہوئی سلطنت کی طرح
ایک شئے دوسری شئے میں کھوئی ہوئی

جھاڑیاں چپ ہیں اور دم بخود ندیاں
بکھری مانگوں کی مانند پگڈنڈیاں
اکھڑے اکھڑے سے آبادیوں کے نشاں
جیسے صدیوں کی اُجڑی ہوئی بستیاں

میں تو دن کی مسافت میں مصروف تھا
جھٹپٹا کب ہُوا، شام کب آ گئی
اے مرے چاند، میرے رفیقِ سفر
میرے سورج کو کس کی نظر کھا گئی

کچھ تو زادِ سفر ساتھ لے کر چلوں
اے مرے فن! مجھے آگہی بخش دے
جس سے شمعیں جلیں میری ہر سانس میں
زندگی کو وہ تابندگی بخش دے

اپنے نغموں کی مربوط تکرار سے
اس سکوتِ مسلسل کو توڑوں گا میں
شب کا ماحول کتنا ہی پُرہول ہو
چوٹ کھا کر بھی رستہ نہ چھوڑوں گا میں
میرا سرمایہ تخلیقِ فن ہی تو ہے
دن کے ریزوں کو چُن چُن کے جوڑوں گا میں

جولائی ۱۹۵۴

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سوچتا ہوں

میری کھڑکی کے شیشے پہ پھولوں کی اک بیل انگڑائیاں بُنتے بُنتے رُکی
اک حسینہ، سمندر کی دھوئی ہوئی ریت سے سیپیاں چُنتے چُنتے رُکی

اس کے چند موتی جو پھولوں کے ماتھے پہ جھومر کی مانند رخشندہ ہیں
بیل کی بے حسی سے ہیں بے بس، مگر کتنے مجبور ہیں، کیسے شرمندہ ہیں

سوچتا ہوں — اگر کوئی جھونکا نہ آیا تو کیا پھول چپ چاپ مرجائیں گے؟
میرے ویران کمرے کے یہ قہقہے کیا یونہی تیرگی میں اتر جائیں گے؟

اکتوبر ۱۹۵۴ء

قطعہ

جب چٹانوں سے لپٹتا ہے سمندر کا شباب
دُور تک موج کے رونے کی صدا آتی ہے
یک بیک پھر یہی ٹوٹی ہوئی بکھری ہوئی موج
اک نئی موج میں ڈھلنے کو پلٹ جاتی ہے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

اب ساری خدائی ہے تماشائی ہماری
کچھ روز سے آباد ہے تنہائی ہماری

مٹ کر بھی ہیں دھرتی کے رگ و پے میں رواں ہم
دیکھو تو ذرا انجمن آرائی ہماری

اب دامنِ صحرا پہ بھی دھوکا ہے چمن کا
گلگشت ہے اب بادیہ پیمائی ہماری

ہر لفظ میں ماضی کے کئی گیت گندھے ہیں
تاریخ کی اِک گونج ہے گویائی ہماری

جو پھول کھِلا، اُس میں گھُلا خون ہمارا
جو جام بجا، اس میں کھنک آئی ہماری

جب حرّیتِ فکر کا دستور ہوا طے
خود جبرِ مشیت نے قسم کھائی ہماری

اگست ۱۹۵۵ء

تین اشعار

اگر اس دور میں جلنا ہی مقدر ٹھہرا
اپنی اُجڑی ہُوئی محفل کے چراغوں میں جلیں

چنگ ٹوٹا، مگر آہنگ نہ ٹوٹا اپنا
ہم وہ شعلے ہیں جو بجھ کر بھی دماغوں میں جلیں

اک نئے موسمِ گُل کا یہ تقاضا ہے کہ ہم
رنگ بن کر انہی لُٹتے ہُوئے باغوں میں جلیں

اکتوبر ۱۹۵۵ء

—

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

محفلِ شب

کتنی ویران ہے یہ محفلِ شب
نہ ستارے نہ چراغ
کہ گھنی دھند ہے گردوں پہ محیط
چاند ہے چاند کا داغ
پھیلتے جاتے ہیں منظر کے خطوط
بجھتا جاتا ہے دماغ

راستے گھل گئے تاریکی میں
توڑ کر عزمِ سفر
کون تا حدِ نظر دیکھ سکے
مٹ گئی حدِ نظر
سیکڑوں منزلیں طے کر تو چکے
لیکن اب جائیں کدھر

آسماں ہے نہ زمیں ہے شاید
کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں
ان خلاؤں میں پکاریں تو کسے؟
کوئی سنتا ہی نہیں
ایک دنیا تو ہے یہ بھی، لیکن
اپنی دنیا سی نہیں

دوستو، آؤ، قریب آ جاؤ
آ کے دیکھو تو سہی
ایک حلقے میں بجھی آنکھوں کو
لا کے دیکھو تو سہی
شاید آواز پہ آواز آئے!
گا کے دیکھو تو سہی

غزل

جب سحر بر سرِ کہسار آئی!
وقت کے ہاتھ میں تلوار آئی
دن کا بھی تو اس اندیشے میں
پھر قیامت کی شبِ تار آئی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

عکس سے ٹکرا کے گزر آئے تھے
راہ میں پھر وہی دیوار آئی

ہم نے مانا کہ بہار آئی ہے
اپنی نگری میں تو بیکار آئی
ذہن میں یوں تو کئی پھول کھلے
ریگِ صحرا سے نہ مہکار آئی

ب پہ نوحہ ہو تو شب کیوں بیتے
پھر وہی شب، وہی ہم
یت گایا کہ لہو ٹپکایا
اکھڑے جاتے ہیں قدم
یہ خوشی ہے کہ اک گنبدِ سنگ
جس میں گھٹ جائے گا دم

ت کرنے کا بہانہ ہی سہی
داستانیں ہی کہو
آپ بیتی ہو کہ جگ بیتی ہو
یوں مگر چپ نہ رہو

وقت کی چاپ نہیں آئے گی
وقت کے ساتھ چلو

اونچے پیڑوں کی گھنی شاخوں میں
رات ہے نوحہ کناں
اتنا گاؤ کہ چیخ کر رہ جائیں
منجمد تیرگیاں
دھوپ کی طرح چمکتا ہوا گیت
زندگی بخش، جواں

گیت

رات دن سلسلۂ عمرِ رواں کی کڑیاں
کل جہاں روح جھلس جاتی تھی
اپنے سائے سے بھی آنچ آتی تھی
آج اسی دشت پہ ساون کی لگی ہیں جھڑیاں
رات دن سلسلۂ عمرِ رواں کی کڑیاں

شب کو جو وادیاں سنسان رہیں
صبح یوں اوس سے آراستہ تھیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہر طرف موتیوں کی جیسے تنی ہوں لڑیاں
رات دن سلسلۂ عمرِ رواں کی کڑیاں

توڑ کر پاؤں نہ بیٹھو، آؤ!
صبح کے اور قریب آ جاؤ!

یوں تو ہر حال میں کٹتی ہی رہیں گی گھڑیاں
رات دن سلسلۂ عمرِ رواں کی کڑیاں

نومبر ۱۹۵۵ء

حسن و جمال کا واسطہ

(ایک شاعر سے خطاب)

اب تو وجدان بھی اک جنسِ تجارت بن کر
بک رہا ہے ترے کردار کے ساتھ
اک کھنکتی ہوئی زنجیر بھی شامل کر لی
تو نے گاتے ہوئے افکار کے ساتھ

حسنِ محبوب کا نیلام اٹھانے والے
معبدوں کو تو نہیں بیچتے لوگ
مانتا ہوں، غمِ افلاس پرانا غم ہے
غمِ انساں سے ہیں کمتر سب روگ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

رنگِ گلزار ہو یا نغمۂ بنتِ کہسار
کون بازار میں لائے گا انھیں
نیلگوں بحر کی وسعت ہو کہ صحرا کا سکوت
کون آئینہ دکھائے گا انھیں

فن کی تذلیل نہ کر، حسن کی توہین نہ کر
عارض و لب کو ترازو سے اُتار
خندۂ گل بھی اگر بیچ دیا یاروں نے
خونِ گل سے بھی نہ ہوں گے بیدار

دسمبر ۱۹۵۵ء

غزل

خود فریبی کے نکل آئے ہیں کتنے پہلو
ہو گئے اپنے طراروں میں گرفتار آہو

یہ نہ شبنم ہے، نہ بھٹکے ہوئے تاروں کا ہجوم
رات کی لاش پہ ٹپکے ہیں سحر کے آنسو

میں تو چپ تھا مگر اب موجِ حیا کے ہاتھوں
پھیل جاتی ہے ترے حسن کی خوشبو ہر سو

توڑ کر جب بھی پرستش کا قفس دیکھا ہے
خمِ محراب سا لگتا ہے ہلالِ ابرو

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جب بھی اُٹھی کوئی چلمن، مجھے محسوس ہو
میری آنکھوں پہ ہیں بکھرے ہوئے تیرے گیسو

نہ ترے حسن کی خوشبو، نہ ترے عشق کا رنگ
یوں تو گزرے مری نظروں سے ہزاروں گُل رُو

کن جہانگیر بہاروں کی تمنا میں تیرے
موسمِ گُل میں بھی اجڑا اُجڑا لگتا ہے تو

اپریل ۱۹۵۶ء

قطعہ

تمتماتے ہیں سلگتے ہوئے رخسار ترے
آنکھ بھر کر کوئی دیکھے گا تو جل جائے گا

اتنا سیّال ہے یہ پل کہ گماں ہوتا ہے
میں ترے جسم کو چھو لوں تو پگھل جائے گا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

انجمنیں اجڑ گئیں، اُٹھ گئے اہلِ انجمن
چند چراغ رہ گئے، جن کی لویں ہیں سینہ زن

اب ترا التفات ہے، حادثۂ جمال و فن
اندھے عقاب کی اڑان، زخمی ہرن کا بانکپن

ہائے یہ مختصر حیات، ہائے یہ اک طویل رات
اے مرے دوست، اک نظر، اے مرے چاند، اک کرن

حُسن اگر جھکا رہا، بر درِ خسروانِ دہر
کٹتے رہیں گے کوہسار، مرتے رہیں گے کوہکن

اُترے ہیں برگہائے زرد لالہ و گُل کے رُوپ میں
ایسے نحیف جسم پر، اتنا حسین پیرہن

اپریل ۱۹۵۶

غزل

تُو جو بدلا تو زمانہ ہی بدل جائے گا
گھر جو سُلگا تو بھرا شہر بھی جل جائے گا

سامنے آ، کہ مرا عشق ہے منطق میں اسیر
آگ بھڑکی تو یہ پتھر بھی پگھل جائے گا

دل کو میں منتظرِ ابرِ کرم کیوں رکھوں
پھول ہے، قطرۂ شبنم سے بہل جائے گا

موسمِ گُل اگر اس حال میں آیا بھی تو کیا
خونِ گُل، چہرۂ گلزار پہ مل جائے گا

وقت کے پاؤں کی زنجیر ہے رفتار، ندیم
ہم جو ٹھہرے تو افق دور نکل جائے گا

اکتوبر ۱۹۵۶ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اِمکان

وقت کے دامنِ صد چاک میں اب کیا ہوگا
ایک فردا ہے تو فردا پہ بھی ڈالیں گے کمند
اتنی ہیبت سے ستاروں کی طرف مت دیکھو
یہ تو امکان کے پرچم ہیں خلاؤں میں بلند

چاند ابھی دور سہی، چاند کی باتیں نہ کرو
یہ ستارہ تو بس اک مرحلۂ شب ہوگا
اب تو ذہنوں کو ستاتا ہے فقط ایک سوال
عرش سے پار تلک انساں کا سفر کب ہوگا

سفر اور ہمسفر

جنگل جنگل آگ لگی ہے، بستی بستی ویراں ہے
کھیتی کھیتی راکھ اڑتی ہے، دنیا ہے کہ بیاباں ہے
سناٹے کی ہیبت نے سانسوں میں پکاریں بھر دی ہیں
ذہنوں میں مبہوت خیالوں نے تلواریں بھر دی ہیں
قدم قدم پر جھلسے جھلسے خواب پڑے ہیں راہوں میں
صبح کو جیسے کالے کالے دیے عبادت گاہوں میں
ایک اک سنگِ میل میں کتنی آنکھیں ہیں پتھرائی ہوئی
ایک اک نقشِ قدم میں کتنی رفتاریں کفنائی ہوئی
ہم سفرو! اے ہم سفرو! کچھ اور بھی نزدیک آ کے چلو
جب چلنا ہی مقدر ٹھہرا، ہاتھ میں ہاتھ ملا کے چلو

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

بزمِ انساں میں بھی اک رات بسر کر دیکھو
ایک بار اپنی زمیں پر بھی اُتر کر دیکھو

اس افق پر نہ اگر جنّتِ موعودہ ملی
اُس افق تک بھی جو جاتا ہو تو سفر کر دیکھو

کوئی ڈوبی ہوئی کشتی ہے کہ ساحل کا نشاں
اپنی سوچوں کے سمندر سے اُبھر کر دیکھو

خود کو دیکھو مرے معیار کے آئینے میں
اک ذرا مجھ پہ یہ احسان بھی دھر کر دیکھو

موسمِ گل ہے تو کردار چمن کیوں بدلے
آگ پھولوں کو تو شبنم کو شرر کر دیکھو

ہر زمانے میں بجھے تو نہیں رہتے خورشید
گردشو، آج مری شب کو سحر کر دیکھو

مارچ ۱۹۵۷ء

غزل

کیا بھروسا ہو کسی ہمدم کا
چاند اُبھرا تو اندھیرا چمکا

صبح کو راہ دکھانے کے لیے
دستِ گل میں ہے دیا شبنم کا

مجھ کو ابرو، تجھے محراب پسند
سارا جھگڑا اسی نازک خم کا

حسن کی جستجوئے پیہم میں
ایک لمحہ بھی نہیں ماتم کا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہوئے اس دور میں فتوے جاری
کہ غزالوں کو جنوں سے رم کا

مجھ سے مر کر بھی نہ توڑا جائے
ہائے یہ نشہ زمیں کے نم کا

اب سیو چاکِ گریبانِ حیات
کہ تقاضا ہے یہی موسم کا

اپریل ۱۹۵۷ء

قطعہ

آنکھ کھل جاتی ہے جب رات کو سوتے سوتے
کتنی سونی نظر آتی ہے گزرگاہِ حیات
ذہن و وجدان میں یوں فاصلے تن جاتے ہیں
شام کی بات بھی لگتی ہے بہت دور کی بات

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

نیا فلک ہو رہا ہے پیدا، نئے ستارے نکل رہے ہیں
حیات کے تنگ دائرے میں گھرے ہوئے جسم جل رہے ہیں

یہاں ابھی پٹ رہا ہے ماضی، وہاں لٹا جا رہا ہے فردا
اِدھر فقط کٹ رہی ہیں گھڑیاں، وہاں زمانے بدل رہے ہیں

بکھر گئے ہیں جبینِ ایام پر نئی صبح کے اُجالے
افق سے شعلے نکل رہے ہیں، الاؤ راتوں کے جل رہے ہیں

جنھیں کسی دور میں ڈبویا تلاطمِ بحرِ زندگی نے
تلاطمِ بحرِ زندگی سے وہی سفینے اُچھل رہے ہیں

اک ایک آنسو قرن کی رَو ہے، اک ایک پل رُوحِ عصرِ نو ہے
یہی نقوشِ حیات صدیوں سے آبروئے غزل رہے ہیں

اپریل ۱۹۷۰ء

غزل

کتنے خورشید بیک وقت نکل آئے ہیں
ہر طرف اپنے ہی پیکر کے گھنے سائے ہیں

ذہن پر تنگ ہوا جب بھی اندھیرے کا حصار
چند یادوں کے دریچے ہیں، جو کام آئے ہیں

کون کہتا ہے، محبت ہے فقط جی کا زیاں
ہم تو اک دل کے عوض حشر اُٹھا لائے ہیں

کتنے پل کے لیے وہ زینتِ آغوش رہے
کتنے برسوں کے مگر زخم نکھر آئے ہیں

گونج گونج اٹھتی ہے آوازِ شکستِ دل کی
جب بھی تارہ کوئی ٹوٹا ہے، وہ یاد آئے ہیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

داستانِ غمِ دنیا ہو کہ افسانۂ دل
وہی قصّے ہیں جو ہر دور نے دہرائے ہیں

سینۂ ارض میں بیدار ہے احساسِ جمال
جب سے فن کار ستاروں سے اُتر آئے ہیں

اے سحر، آج ہمیں راکھ سمجھ کر نہ اُڑا
ہم نے جل جل کے ترے راستے چمکائے ہیں

اگست ۱۹۵۷ء

غزل

نہ محبت نہ صباحت فانی
یہ سمندر ہیں سدا طوفانی

تجھ کو چاہا تو تجھی کو چاہا
اک یہ قصّہ نہ ہُوا طولانی

ہم ترے عکس پہ کیسے بھُولیں
آئینہ کس کا بنا ہے ثانی

ہم تری دھن میں تجھے چھوڑ گئے
ہم نے صورت نہ تری پہچانی

ہم سے پوچھے کوئی رونے کا سبب
اس قدر کون کرے قربانی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جیتے جیتے کسی قابل نہ رہے
قدر جینے کی نہ ہم نے جانی

کچھ سمجھتے تو کچھ آگے بڑھتے
اپنے پلّے تو پڑی حیرانی

مینہ کے جھالوں نے تو پربت چاٹے
چلمنوں سے نہ رُکے گا پانی

اُن کو لُوٹا تو اُجڑ جاؤ گے
جن کا سامان ہے بے سامانی

ستمبر ۱۹۵۷ء

غزل

اک دہکتا ذہن بھی ہوں، اک سلگتا دل بھی ہوں
"اپنا ماضی بھی ہوں میں اور اپنا مستقبل بھی ہوں"[1]

میری دنیا پر اگر ظلمت مسلّط ہے تو کیا
ابر میں لپٹی ہوئی شب کا مہِ کامل بھی ہوں

میں بظاہر اک بھنور ہوں پیچ کھاتے جذبات کا
لیکن اس بپھرے ہوئے طوفان کا ساحل بھی ہوں

کفر کے انکار کی عظمت کا گو منکر نہیں
میں کسی قوت کے حسنِ ربط کا قائل بھی ہوں

زندگی تیرا ارادہ — موت تیرا فیصلہ
سوچتا ہوں، تیرے ہوتے میں کسی قابل بھی ہوں

[1] PONGE

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

آبلوں پر جو حنا باندھے، مجھے یہ بھی بتلائے
کیوں بایں درماندگی، وارفتۂ منزل بھی ہوں

شمع، میری چشمِ گریاں۔ گل، مرے پامال خواب
راندۂ محفل ہوں، محفل میں مگر شامل بھی ہوں

زندگی کا ذائقہ تھا ان لبوں کے لمس میں
فکر کا شاعر ہوں لیکن حسن کا گھائل بھی ہوں

ستمبر ۱۹۵۷ء

راستے

ریگِ صحرا سے نکل آنے کے بعد
جاگ اُٹھا ہے کتنی سمتوں کا شعور
راستوں سے کٹ گئے ہیں راستے

یوں گھرا طوفانِ بیداری میں ذہن
اور یوں ٹوٹے مرے خوابوں کے پھول
پتھروں سے پٹ گئے ہیں راستے

راستوں پر ہر طرف بکھرے ہوئے
یوں تو ہیں صدیوں کے قدموں کے نقوش
میتوں سے اَٹ گئے ہیں راستے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سوچتا بھی جسم بن کر رہ گیا
میں تو بس پل بھر کو ٹھٹکا تھا، مگر
دور افق تک بٹ گئے ہیں راستے

پھر وہی صحرائے ناپیدا کنار
پھر وہی سنسان ٹیلوں کا طواف
دائروں میں بٹ گئے ہیں راستے

اکتوبر ۱۹۵۷ء

غزل

ہم اپنے چراغ کیوں بجھائیں
دیتی رہے چاندنی صدائیں

یزداں کو زمیں پر بلائیں
انساں کو آئینہ دکھائیں

وسعت تھا بہانہ بے پری کا
اڑتے ہی سمٹ چلیں فضائیں

آدم کی رسائیوں سے ڈر کر
اسرارِ حیات تھرتھرائیں

لازم ہے کہ روحِ عصر پر سے
ماضی کی کھلٹیں ہٹائیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

طوفانِ خود آگہی کی زد میں
شاہوں کی قبائیں پھڑپھڑائیں

اِس دور کے ایک ایک پل میں
صدیوں کی جبینیں جھلملائیں

تصویرِ شمیمِ گُل اُتاریں
یعنی ان کا سُراغ پائیں

یوں روئیں کہ ان کی انکھڑیاں بھی
اشکوں کی زباں میں مسکرائیں

یوں گائیں کہ جیسے نصف شب کو
تاروں کے خرام گنگنائیں

جب تک نہ سمجھ میں آئے انساں
ہم اپنی سمجھ میں خاک آئیں

اکتوبر ۱۹۵۷ء

گجر بجا دو

(اسپوتنک ۲ کی پرواز کے روز)

انگڑائیاں لے رہے ہیں تارے
اب رات کی چلمنیں اٹھا دو
اب تیرگی ہاتھ مل رہی ہے
اب اس کو رہِ سحر دکھا دو
اونچے پیڑوں کی خامشی کو
جھونکوں کے سرود میں بہا دو
مشرق کا افق چمک اُٹھا ہے
مغرب کے غبار کو بتا دو
سورج کا اب انتظار کیسا
پو پھٹنے لگی۔ گجر بجا دو

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اب اوج پہ ہے جمالِ انساں
اب چرخ کو آئنہ بنا دو
جو ہاتھ ترس گئے حنا کو
اب ان کو شفق کا رنگ لا دو
شبنم کی طرح جو رو رہے ہیں
تاروں کی طرح انہیں ہنسا دو

اُڑتے ہوئے پل نہیں تھمیں گے
اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دو
ماضی کے مزار سے نکل کر
فردائے حیات کو صدا دو
اب حدِ نظر کی مشعلوں کو
تا حدِ خیال جگمگا دو

قرنوں سے تنی ہوئی خلا کو
انسان کا فیصلہ سنا دو
یہ فرش ہے عرش قدسیوں کا
اس وہم کو واقعہ بنا دو
اے جنتِ گم شدہ کے راز دو
آدم اُبھرا ہے، راستا دو
اے حوصلو، میرا ساتھ دو تم
اے ولولو، تم مجھے دعا دو

۳، نومبر ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

وہ دھندلکا جسے سب حدِ نظر کہتے ہیں
اب تو انسان کی ہے راہگزر کہتے ہیں

اپنا نعرہ بھی انا الحق ہے مگر فرق یہ ہے
ہم وہی بات باندازِ دگر کہتے ہیں

شیخ نے جس کو دیا نامۂ اعمال کا نام
ہم گنہگار اسے دامنِ تر کہتے ہیں

طاق پر جس کے کبھی ایک دیا تک نہ جلا
ہم تو اس گھر کو بھی اللہ کا گھر کہتے ہیں

کاش انساں کو شرر ہی کی چمک دے سکتے
زندگی کو جو فقط رقصِ شرر کہتے ہیں

رات جل اٹھتی ہے جب شدتِ ظلمت سے ندیمؔ
لوگ اس وقفۂ ماتم کو سحر کہتے ہیں

بمبئی ۱۹۵۰ء

حسن

آج کس چیز سے بہلے مرا احساسِ جمال
کون چومے یہ خراشوں میں نہائے چہرے
گھاؤ چومے نہیں جاتے ہیں بھرے جاتے ہیں
ہائے اس دورِ جراحت کی یہ مجبور یائیں
مسکراتی ہیں کہ زخموں کے دہن کھولتی ہیں
وہ بصد ناز اک انداز سے جب بولتی ہیں
ہڈیاں بجتی ہیں وجدان کے شمشانوں میں
اور افق تا بہ افق گونجتا ہے ایک سوال
آج کس چیز سے بہلے مرا احساسِ جمال

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جسم پر خون سے چپکا ہُوا پیراہن ہے
جس کو لوگوں نے دیا چُستیِ ملبوس کا نام
ان کی رفتار میں برسات کے نالے کا خروش
دندناکر جسے چپ چاپ اُتر جانا ہے
ان کے بازو ہیں کہ چلتی ہُوئی تلواریں ہیں
جن کی دھاروں سے ہوا تک بھی نہیں کٹ سکتی
ان کی گردن کا تناؤ ہے کہ فطرت کا اصول
جو لچک جائے تو دنیا میں قیامت آجائے
اور لچکے تو زمانے کو پتہ بھی نہ چلے
ان کا معیارِ حیا ہے کہ سرِ عرصۂ جنگ
اپنے ہی خون میں ڈوبے ہوئے سلطان کی ڈھال
آج کس چیز سے بہلے مرا احساسِ جمال

حسن ہی حسن ہے اب تک مرے فن کی پونجی
رُخِ معصوم پہ اُٹھے ہوئے جذبات کا حسن
جس طرح صبح کو احساسِ طلوعِ خورشید
آنکھوں آنکھوں میں تمناؤں کے اظہار کا حسن
ذہنِ شاعر میں کھلے جیسے نئے شعر کا پھول
لمس کی آگ میں دہکے ہوئے رخسار کا حسن

وہ اٹکتے ہوئے لہجے میں ادھوری باتیں
رنگ میں ڈوبا ہُوا جیسے مصوّر کا قلم
اپنی ہر جنبشِ موہوم پہ اتراتا ہے
آج یہ حسن کی تصویر ہے صرف ایک خیال
آج کس چیز سے بہلے مرا احساسِ جمال

حسن، تہذیب کی جاں، حسن تمدن کا نقیب
حسن، سرمایۂ آسودگیِ قلب و نظر
حسن ہے کعبۂ فن، حسن ہے انساں کا وقار
حسن مٹ جائے تو اس کارگہِ عالم پر
ایک اک لمحہ صدی بن کے مسلط ہو جائے
کتنی صدیوں سے ہیں اس سوچ میں غلطاں کچھ لوگ
حسن کے خول سے کس طرح بہل جاتے ہیں
خود فریبی کی مسرت پہ یہ جینے والے
کیوں نہیں ڈھونڈتے کھلتے ہوئے ہونٹوں میں نمی
پی چکی ہے جسے اک عمر سے ماحول کی دھوپ
کیوں نہیں دیکھتے آنکھوں میں جوانی کے چراغ
بجھ کے ہر سمت دھواں چھوڑ گئیں جن کی لویں
کیوں نہیں سوجھتی چہروں پہ بکھرتی ہوئی بھوک

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

وہ اُبھرنے ہُوئے خیرات کے قدموں کے نشاں
ہائے اس دورِ جراحت کی یہ محبُوبائیں
میں انھیں دیکھ کے آنکھیں تو جھکو سکتا ہوں
لیکن احساس کی وہ آنچ نہیں پا سکتا
جس میں تپ کر ہی نکھر سکتی ہے رعنائیٔ فن
وہ مری غیرتِ فن کے لیے مہمیز تو ہیں
حسن کی پیاس مگر اور بڑھا جاتی ہیں
افقِ فن پہ اڑا جاتی ہیں اس فکر کی دُھول
کیا یہی ہے مری پاکیزہ نگاہی کا مآل؟
کیا یہی ہے مری تہذیب کی عالمگیری؟

کیا یہی ہے مرے بے شکل تمدن کا کمال؟
آج کس چیز سے بہلے مرا احساسِ جمال!

فروری ۱۹۵۸ء

جمیلہ

پا بہ زنجیر ہُوئی وقت کی رفتار کہاں!
جو کبھی کٹ نہ سکے، ایسی شبِ تار کہاں!
اے مرے جسم کو کانٹوں میں پرونے والے
ہے غلامی سے بھی بڑھ کر کوئی آزار کہاں!
میں نے جس راز کو سینے میں چھپا رکھا ہے
سرِ دربار نہ کھولا تو سرِ دار کہاں!
وہ جسے سایۂ سر بھی نہیں بہلا سکتا
اس جنوں کو ہوسِ سایۂ دیوار کہاں!
سینچتے ہیں جنھیں خود اپنے لہو سے ہم لوگ
جا کے بکتے ہیں وہ گلشن سرِ بازار کہاں!
بند ہے جاتے ہیں زبانوں پہ جہاں انگارے
وا ہُوا بھی تو ہمارا لبِ اظہار کہاں!
اے طلبگارِ صباحت! مرے گھر کی سرحد
ساحلِ قلزمِ خوں ہے، خطِ گلزار کہاں!
مجھ پہ اُٹھا ہُوا خنجر ترے دل میں اُترا
جا کے ٹوٹا ہے ستمگر! ترا پندار کہاں!

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

چلے بہشت سے ہم نکہتِ بہار کے ساتھ
شکست کھائی ہے لیکن بڑے وقار کے ساتھ

اب اس سے بڑھ کے ہو کیا ربطِ کائنات و حیات
فضائیں گونجی ہیں انسان کی پکار کے ساتھ

قدم قدم پہ اگر رک رہے ہیں دشت میں ہم
تو کیا کریں، کہ تعارف ہے خار خار کے ساتھ

نہ جانے کون سا جادو تھا پیار کی رت میں
بدلتے دیکھے ہیں موسم مزاجِ یار کے ساتھ

وہ احترامِ روایات ہو کہ مجبوری
نبھا رہے ہیں ستم ہائے روزگار کے ساتھ

جو بات ذہن میں آئی، زباں سے کہہ دیں گے
ندیمؔ جن کے مقدر بندھے ہیں دار کے ساتھ

مارچ ۱۹۵۸ء

ایشیا

ہر گئے دَور کا احتساب ایشیا، ہر نئے دَور کا اضطراب ایشیا
ظلمتِ شب کا دار الحساب ایشیا، صبحِ تہذیب کا آفتاب ایشیا

مدتوں تک بر و بحر کے حکمراں ایشیا ہی کے ٹکڑوں پہ پلتے رہے
یوں تو مغرب کی نظروں میں ہے آج بھی صرف اک خیمۂ بے طناب ایشیا

ابروؤں کے یہ خم، چیتونوں کے یہ بل، سامراجوں کے یہ انداز ہیں بے محل
جو سوال اس کی غیرت سے پوچھے گئے، دے رہا ہے انہی کا جواب ایشیا

اے جنونِ مکافات کے شاکیو! یاد گزرے ہوئے وہ زمانے کرو
جب لہو اس کے دل سے نچڑتا رہا، اور کھاتا رہا پیچ و تاب ایشیا

ظلمتِ شام میں ہے یہ کہرام کیوں، قصرِ عالی ہے لرزہ براندام کیوں
دیکھتا ہے خود اپنے کھنڈر میں اگر، عظمتِ آدمیت کا خواب ایشیا

گو بظاہر ابھی پیرہن چاک ہے، اس کے ہاتھوں میں میزانِ افلاک ہے
اب جو مانگو تو برگِ گلاب ایشیا، اور چھینو تو موجِ سراب ایشیا

جنسِ ناموسِ آدم کے سوداگرو! یہ صدی ہے مرے ایشیا کی صدی
چترِ شاہنشہی تھامنے کے عوض اب نہیں بیچتا خونِ ناب ایشیا

کل بھی تہذیب و اخلاق کی مشعلیں پرتوِ ایشیا سے فروزاں رہیں
برن و جوہر کے اس دورِ تاباں میں بھی نوعِ انساں کا عہدِ شباب ایشیا

اگست ۱۹۵۸ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

جیسے جیسے لوگ حق کے رازداں بنتے گئے
جو حقائق تھے وہ سب وہم و گماں بنتے گئے

جن گلوں کا حسن تھا قندیلِ شہراہِ حیات
ٹہنیوں سے ٹوٹ کر سنگِ گراں بنتے گئے

اوّل اوّل چند دھبے تھے وفورِ رنگ کے
شدتِ تخلیقِ فن سے جو جہاں بنتے گئے

کچھ نہ کچھ پاتا بھی ہے انسان محرومی کے ساتھ
جن کے دل بجھتے گئے، برقِ تپاں بنتے گئے

ہر غبارِ کارواں سے کارواں بنتا گیا
کارواں یوں تو غبارِ کارواں بنتے گئے

تیرگی میں اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے
جانے والے پھوٹتی پَو کا سماں بنتے گئے

دُور سے دیکھا تو پلکوں تک کے سائے گن لیے
جیسے جیسے تم قریب آئے، دھواں بنتے گئے

تم جب آئے، پھول بھی تحلیل ہو کر رہ گئے
جب گئے، موجِ ہوا تک پرفشاں بنتے گئے

اب فقط اک ٹیس میں سمٹی ہوئی ہے ان کی یاد
حلقۂ آغوش میں جو بے کراں بنتے گئے

اگست ۱۹۵۸ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

یاد

کتنا تاریک ہے اس شب کا گھنا سناٹا
چاند نکلا ہے مگر چاند کی ایک ایک کرن
نوکِ نشتر کی طرح دل میں اُتر جاتی ہے
اور جب حد سے گزر جاتی ہے سینے کی جلن
چاند بجھ جاتا ہے اور چاندنی مر جاتی ہے

دشتِ دل سے جو نکلتی ہے گزرگاہِ خیال
اپنے سینے پہ سجائے ہوئے یادوں کے نشاں
آج اک زخم کی مانند اُبھر آئی ہے
ایک اک پل میں سمٹ آئی ہیں کتنی صدیاں
ایک اک سانس، مرا عالمِ تنہائی ہے

یوں تہ بہ دور میں جذبات کی رُت آتی ہے
جب تری یاد سے بھر جاتا ہے پیمانۂ جاں
تیری آہٹ اُمڈ آتی ہے مرے خوابوں میں
سر بسجدہ نظر آتا ہے مرا شعرِ جواں
تیرے پیکر کی دمکتی ہوئی محرابوں میں

یوں تو کاٹے ہیں کڑے کوس تری فرقت کے
درد میں اب جو چمک ہے، کبھی پہلے تو نہ تھی
آج تو تیرے خیالوں سے بھی آنچ آتی ہے
آج تو تیرا تصور بھی ہے گلدستۂ خار
آج تو یاد بھی اک نوک سی بن جاتی ہے

آج کی شب، کہیں وہ شب ہی نہ لوٹ آئی ہو
اُٹھ سکی جس میں نہ خود وقت کے قدموں کی صدا
جس میں اک عمر سے گم ہے ترا پیمانِ وفا
جس میں جب چاند بھی اُبھرا تو دھواں پھیل گیا
پاس جس کے، مری آنکھوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا

اگست ۱۹۵۸ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

پھر یاد وہ مہ جمال آیا
ہے حدِ نظر تک اپنا سایا

تھا پاسِ ادب کہ اپنے دل میں
غم بھی ترا نام لے کے آیا

اس بزم میں تیرے واسطے سے
کوئی نہ لگا ہمیں پرایا

ہائے وہ سپردگی کی مستی
لٹ کر بھی جبیں پہ بل نہ آیا

— ق —

خورشید بدستِ جستجو کی
لیکن تو کہیں نظر نہ آیا

ہم دل کا دیا جلا کے لائے
جب جا کے ترا سراغ پایا

— ق —

ہم ہیں ترا نقشِ خود نمائی
پندار ہمیں سے کیوں خدایا

تخلیقِ زمیں کا طنز مت کر
ہم نے ترا آسماں بنایا

اگست ۱۹۵۸ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قطعہ

آدمی جوّ ہوا سے بھی نکل جائیں گے
چاند پر عظمتِ آدم کا عَلم لہرانے
قابلِ داد ہے یہ جرأتِ پرواز مگر
چاندنی کو بھی کہیں بانٹ نہ لیں دیوانے

ہم

پاداشِ حق میں زینتِ زنداں ہمیں تو ہیں
اِس تیرگی میں شمعِ فروزاں ہمیں تو ہیں

جس کا اُفق غروب کی لَو سے ہے تابناک
اے صبحِ نو، وہ شامِ غریباں ہمیں تو ہیں

صدیوں سے زندگی کے لباسِ حریر کا
جو چاک ہو رہا ہے، وہ داماں ہمیں تو ہیں

جو بھائیوں کی حرصِ تجارت میں بک گئے
اے نظمِ نو، وہ یوسفِ کنعاں ہمیں تو ہیں

ملتے پھریں غبارِ سفر ہم کو اہلِ دہر
لیکن جبینِ دہر کی افشاں ہمیں تو ہیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہم جل رہے ہیں اپنی امنگوں کی آگ میں
اس جشنِ حریت کا چراغاں ہمیں تو ہیں

جس میں لہو کی بوند گراں تر ہے تخت سے
تھامے ہوئے وہ عدل کی میزاں ہمیں تو ہیں

آئینۂ صباحتِ انساں ہے جن کا فن
اے روحِ عصرِ نو، وہ غزل خواں ہمیں تو ہیں

اگست ۱۹۵۸ء

ایک منظر

گنجان صنوبروں کے پیچھے
اک چاند، ہزار چاند بن کر
تاروں کی طرح بکھر گیا ہے
اس سیلِ جمال کے سہارے
ماضی کے نشیب بھر گئے ہیں
ویرانۂ جاں سنور گیا ہے

خوشبوئے حنا کا ایک پیکر
جلتی ہوئی انگلیوں کی لو سے
چھوتا ہے لبوں کے جب کنارے
کھل جاتے ہیں مصلحت کے اصنام
ہٹ جاتے ہیں قصرِ دل سے پہرے
آتے ہیں خیال پیارے پیارے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اک عمر کے بعد جب کھلی آنکھ
گنجان صنوبروں کے پیچھے
چاند آخر کار اُتر چکا ہے
گردش تو فضا میں گونجتی ہے
لمحوں کی تو چاپ سن رہا ہوں
میرے لیے وقت مر چکا ہے

ستمبر ۱۹۵۸ء

قطعہ

تو میرا شعور، میرا وجدان
تو میرا یقین، میرا ایمان
میں تیری سپردگی کا معیار
تو میری پرستشوں کی پہچان

اکتوبر ۱۹۵۸ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کھنڈر

غنچۂ دل جو کھِلا بھی، تو سرِ شام کھلا
کون ظلمت میں نکھتا ہے نظارۂ گل
تو کہاں تھا کہ ترے دامنِ رنگیں کے لیے
ہاتھ پھیلائے رہی نکہتِ آوارۂ گل

گردشِ وقت کو سُوجھی ہے نرالی تمثیل
جل رہی ہے مرے ماضی کے کھنڈر میں قندیل

اکتوبر ۱۹۵۸ء

غزل

لبِ خاموش سے افشا ہوگا
راز ہر رنگ میں رسوا ہوگا

دل کے صحرا میں چلی سرد ہوا
ابر گلزار پہ برسا ہوگا

تم نہیں تھے تو سرِ بامِ خیال
یاد کا کوئی ستارا ہوگا

کس توقع پہ کسی کو دیکھیں
کوئی تم سے بھی حسیں کیا ہوگا

جس بھی فنکار کے شہکار ہو تم
اس نے صدیوں تمھیں سوچا ہوگا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

زینتِ حلقۂ آغوش بنو
دور بیٹھو گے تو چرچا ہوگا

ظلمتِ شب میں بھی شرماتے ہو
درد چمکے گا تو پھر کیا ہوگا

آج کی رات بھی تنہا ہی کٹی
آج کا دن بھی اندھیرا ہوگا

کس قدر کرب سے چٹکی ہے کلی
شاخ سے گل کوئی ٹوٹا ہوگا

عمر بھر روئے فقط اس دھن میں
رات بھیگی تو اجالا ہوگا

ساری دنیا ہمیں پہچانتی ہے
کوئی ہم سا بھی نہ تنہا ہوگا

ستمبر ۱۹۵۸ء

قطعہ

ذرۂ خاک میں ادراک کی حدت بھر کر
اپنی تخلیق کے شعلوں میں نہ جل جاؤ کہیں
روشنی ہی سہی اس دور کی تہذیب کا اوج
موم کی طرح چمک کر نہ پگھل جاؤ کہیں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

دعوت

اے میری پرستشوں کی حقدار
آ، میں ترے حسن کو نکھاروں
چہرے سے اُڑا کے گردِ ایام
آ، میں تری آرتی اُتاروں!

تُو میری زمیں بھی، آسماں بھی
میں تجھ کو کہاں کہاں پکاروں

اکتوبر ۱۹۵۸ء

قطعہ

فرشتے چاند سے ہٹ کر ہیں اس خیال میں گُم
"کہاں سے چل کے یہ انساں کہاں تک آئے ہیں"
ابھی تو خیر سے تسخیرِ عرش باقی ہے
ابھی تو اہلِ زمیں، آسماں تک آئے ہیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

تضاد

کتنے کوسوں پہ جا بسی ہے تو
میں تجھے سوچ بھی نہیں سکتا
اتنا بے بس ہوں، تیری سوچ کو میں
ذہن سے نوچ بھی نہیں سکتا
مجھ سے تو دُور بھی ہے، پاس بھی ہے
اور مجھے یہ تضاد راس بھی ہے

اکتوبر ۱۹۵۸ء

قطعہ

مری شکست پہ اک پرتوِ جمال تو ہے
میں کیوں نہ عظمتِ افتادگی پہ اتراؤں
تجھی سے ہے مری آسودہ خاطری کا بھرم
ترے غموں کا خزانہ چھنے تو لُٹ جاؤں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جبسیات

۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۸ء

↓

۲ر فروری ۱۹۵۹ء

THERE IS DELIGHT IN SINGING
THO' NONE HEAR
BESIDE THE SINGER.

W. S. Landor

قطعہ

دریا ہو، صبا ہو یا خیالات
ہر چیز تری طرف رواں ہے
اب تک نہ ہُوا مگر یہ معلوم
تو ہے تو کہاں نہیں، کہاں ہے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک شعر

کتنی حسّاس نامشی ہے
سوچوں بھی تو رات گونجتی ہے

قطعہ

کُنجِ زنداں میں پڑا سوچتا ہوں
کتنا دلچسپ نظارا ہوگا
یہ سلاخوں میں چمکتا ہُوا چاند
تیرے آنگن میں بھی نکلا ہوگا

دسمبر ۱۹۵۸ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

فاصلے کے معنی کا کیوں فریب کھاتے ہو
جتنے دور جاتے ہو، اُتنے پاس آتے ہو

رات ٹوٹ پڑتی ہے جب سکوتِ زنداں پر
تم مرے خیالوں میں چھپ کے گنگناتے ہو

میری خلوتِ غم کے آہنی دریچوں پر
اپنی مسکراہٹ کی مشعلیں جلاتے ہو

جب تنی سلاخوں سے جھانکتی ہے تنہائی
دل کی طرح پہلو سے لگ کے بیٹھ جاتے ہو

تم مرے ارادوں کے ڈوبتے ستاروں کو
یاس کی خلاؤں میں راستہ دکھاتے ہو

کتنے یاد آتے ہو، پوچھتے ہو کیوں مجھ سے
جتنا یاد کرتے ہو اُتنے یاد آتے ہو

دسمبر ۱۹۵۸ء

قطعہ

حد سے جب بڑھنے لگا تلخیٔ حالات کا زہر
ذائقے کو تری شیریں دہنی یاد آئی
جب بھی میں راہ سے بھٹکا، ترا پیکر چمکا
جب بھی رات آئی، تری سیم تنی یاد آئی

جنوری ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بارش

رات، بارش نے سقفِ زنداں پر
اس تسلسل کے ساتھ دستک دی
کہ اندھیرے کے انجماد کو بھی
یہ صدا گونج بن کے چیر گئی

ہر طرف پھیلتی، سمٹتی ہوئی
سرکشیدہ فصیل کی سوگند
میں تو سمجھا تھا، کنجِ زنداں میں
زیست کی ہیں تمام راہیں بند

آج لیکن حیات گاتی ہے
بند قفلوں کے اس دیار میں بھی
حسن فن کار کو پکارتا ہے!
سنگ و آہن کے اس حصار میں بھی

دسمبر ۱۹۵۸ء

قطعہ

اپنے شاعر کے لیے زنداں میں
رات فردوس اٹھا لاتی ہے
دامنِ شب سے لپٹ کر اکثر
تیری یادوں کی شمیم آتی ہے

جنوری ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

مر کر بھی نہ ہوں گے رائگاں ہم
بن جائیں گے گردِ کارواں ہم
با وصفِ غمِ برہنہ پائی
ہیں تا بہ ابد رواں دواں ہم
ہم گونج ہیں سازِ ارتقا کی
گونجیں گے ابھی زماں زماں ہم
با وصفِ گمانِ بے زبانی
ہیں عصرِ جدید کی زباں ہم
کیوں پھیر میں آتے اہرمن کے
یزداں کے بھی ہیں مزاج داں ہم
نکلیں گے لحد سے پھول بن کر
پل بھر کے نہیں ہیں میہماں ہم

جنوری ۱۹۵۹ء

قطعہ

دن ختم ہو چکا مگر اک آخری کرن
آئی کہیں سے، اور مرے دل میں اُتر گئی
روشن نہیں تو تیرہ بھی کنجِ قفس نہیں
سورج تو چھپ گیا ہے مگر شب بھی مر گئی

جنوری ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قطعہ

زندگی یوں تو بڑے کرب سے کاٹی میں نے
جو گھڑی آئی ہے، پیغامِ تعب لائی ہے
زندہ رہنے کو مگر اب بھی جی چاہتا ہے
یاد جب بھی تری شیرینیِ لب آئی ہے

جنوری ۱۹۵۹ء

ایک رات

کل نصف شب کی تیرگیوں میں ترا خیال
ماضی کے پھول کنجِ قفس میں سجا گیا
جس پر ٹھٹک گیا تھا مرا دل، ترا جمال
حالات کا وہ موڑ مجھے یاد آ گیا

کتنی لطیف تھی تری آنکھوں کی روشنی
کتنی بسیط تھی مرے جذبات کی فضا
اتنا حواس گیر تھا وہ لمحۂ جمیل
تیرے سوا خدا کی خدائی میں کچھ نہ تھا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

برسوں کے بعد آج بھی اے مبدۂ حیات
تو میری دوست بھی ہے، مری ہم سخن بھی ہے
تو میرا شعر، میرا فسانہ، مری زباں
تو میرا فن بھی ہے، مرا موضوعِ فن بھی ہے

جب بھی میں اپنے ذہن سے چھوتا ہوں تیرا جسم
مٹی میں دیکھتا ہوں طنابیں حیات کی
ہو قفل کی کراہ کہ زنجیر کی پکار
کڑیاں ہیں اک شکستہ و درماندہ رات کی

جنوری ۱۹۵۹ء

قطعہ

میرے ویرانۂ احساس میں اک پھول کھلا
چارہ گر ڈھونڈنے نکلے ہیں مگر مرہمِ دل
ہیں تو یہ درد کی دولت انھیں چھونے بھی نہ دوں
تیری شدت کی قسم اے غمِ دل، اے غمِ دل

جنوری ۱۹۵۹ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قطعہ

نہ چھیڑو مجھ سے باتیں خیر و شر کی
میں شاعر ہوں، بس اتنا جانتا ہوں
محبت کا اگر خالق خدا ہے
تو میں ایسے خدا کو مانتا ہوں

جنوری ۱۹۵۹ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

دامن کو نہ تار تار کر لے!
اس رُت کو سدا بہار کر لے

حالات سے پنجہ آزما ہو
حالات کو سازگار کر لے

اے لذّتِ زندگی کے منکر
اک بار کسی سے پیار کر لے

غمّاز ہے حسن آپ اپنا
جو رنگ بھی اختیار کر لے

زنداں پہ گمانِ فرشِ گُل ہے
جو چاہے مزاجِ یار کر لے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اب تو تری آبرو ہے مجھ سے
اب تو مرا اعتبار کر لے

جب تک میں ترا جمال دیکھوں
تو زخمِ مرے شمار کر لے

یا حسن کو بخش بے کناری
یا عشق کو ہمکنار کر لے

برسوں سے تری طرف رواں ہیں
ہمت ہے تو انتظار کر لے

جنوری ۱۹۵۹ء

قطعہ

قوتِ بازوئے انساں کے بغیر
خاک کا ڈھیر جمالِ زر و سیم
اتنی عظمت کا تصور بھی محال
جتنی انساں کی محنت ہے عظیم

جنوری ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اشعار

ہم دن کے پیامی ہیں مگر کشتۂ شب ہیں
اس حال میں بھی رونقِ عالم کا سبب ہیں

ظاہر میں ہم انسان ہیں مٹی کے کھلونے
باطن میں مگر تند عناصر کا غضب ہیں

ہیں حلقۂ زنجیر کا ہم خندۂ جاوید
زنداں میں بسائے ہوئے اک شہرِ طرب ہیں

چھلکی ہوئی یہ حسنِ گریزاں کی کلی ہے
یا شدتِ جذبات سے کھلتے ہوئے لب ہیں

آغوش میں مہکو گے، دکھائی نہیں دو گے
تم نکہتِ گلزار ہو، ہم پردۂ شب ہیں

جنوری ۱۹۵۹ء

قطعہ

یارب اک عرض ہے گستاخانہ
(رہیں آباد ترے دیر و حرم)
مسکراتا ہوا دیکھا ہے تجھے
جب چٹانوں میں دھڑکتے ہیں صنم

جنوری ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

پرواز کو محدود نہ کر شام و سحر تک
انسان کی ہیں مملکتیں حدِّ نظر تک

اک عمر سے ہر شب بہ سرِ شہراہِ محبت
میں شمع کے انداز میں جلتا ہوں سحر تک

اک شب تو سحر تک مری آغوش میں چھپ کو
اک رات کی زلفیں تو پہنچنے دو کمر تک

لبریزِ جمال ایک کا دل، ایک کا پہلو
اتنا سا فقط فاصلہ ہے خیر سے شر تک

انسان نے تخلیق سے اب تک جو کیے طے
وہ مرحلے گزرے ہیں تری راہگزر تک

اک بار بگڑ کر جو تری بزم سے اُٹھوں
پھر آ کے ترے پاس نہ لوں اپنی خبر تک

پندارِ محبت کے وہی لوگ امیں ہیں
پہنچے غمِ جاناں سے جو غمہائے دگر تک

آدم کی سلگتی ہُوئی تاریخ رقم ہے
جبریل کے شہپر سے مرے دامنِ تر تک

اُبھرو بھی ندیمؔ اپنی شکستوں کے کھنڈر سے
ٹوٹے تو بلندی کو لپکتا ہے شرر تک

جنوری ۱۹۵۹ء —

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قطعہ

تیری ہیبت ہے جہانگیر، مگر
تجھ سے تو میں، بخدا بہتر ہوں
اُس شہنشہ سے، جو نفرت بیچے
میں محبت کا گدا بہتر ہوں

جنوری ۱۹۵۹ء

قطعہ

جس شخص نے آدمی کے خون سے
اپنے چہرے کا رُوپ اُجالا
پتھر بن جائے، زہر ہو جائے
اس شخص کے ہاتھ کا نوالا

جنوری ۱۹۵۹ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

صبحِ آگہی

اک ایسے دور میں پیدا ہوئی ہے پود اپنی
کہ ایک پل میں زمانے گزرتے دیکھے ہیں
فنا کے دام میں اُلجھے ہُوئے غریب انساں
نظامِ شمس پہ یلغار کرتے دیکھے ہیں
بصیرتوں پہ رہی برق بار جن کی چمک
وہ آفتاب خلاؤں میں مرتے دیکھے ہیں

جنھیں فقط دلِ آدم کی تھی فضا محبوب
وہ زخم سینۂ مہ پر بکھرتے دیکھے ہیں
جو نصف شب کو سُنی ہے صدائے پائے سحر
تو دوپہر کو ستارے اُبھرتے دیکھے ہیں

میں پہ وہ قیامت کا دور آیا ہے
کہ ہر بسیط حقیقت ہے جاں کنی سے دوچار
بساطِ ذہن پہ صرف ایک پھول کھلنے سے
ہٹی ہیں کتنی فصیلیں، گرے ہیں کتنے حصار
بجھی ہیں کتنے بڑے فلسفوں کی قندیلیں
مِلا ہے خاک میں کتنے علوم کا پندار
وہ آدمی جو نکالا گیا تھا جنّت سے
اُٹھا ہے بن کے قمر افگن و ستارہ شکار
ہیں لمحہ لمحہ کی زد میں صدی صدی کے اصول
کہ ہو رہی ہے نئی صبحِ آگہی بیدار

جنوری ۱۹۵۹ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قطعہ

یہ ہجر و وصال کے معمّے
اِک تیرے سوا کوئی نہ جانے
صدیوں میں بس ایک رات گزری
اِک پل میں کٹے کئی زمانے

جنوری ۱۹۵۹ء

غزل

تیری محفل بھی مداوا نہیں تنہائی کا
کتنا چرچا تھا تری انجمن آرائی کا

داغِ دل نقش ہے اک لالۂ صحرائی کا
یہ اثاثہ ہے مری بادیہ پیمائی کا

جب بھی دیکھا ہے تجھے، عالمِ نو دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہُوا تیری شناسائی کا

وہ ترے جسم کی قوسیں ہوں کہ محرابِ حرم
ہر حقیقت میں ملا خم تری انگڑائی کا

افقِ ذہن پہ چمکا ترا پیمانِ وصال
چاند نکلا ہے مرے عالمِ تنہائی کا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بھری دنیا میں فقط مجھ سے نگاہیں نہ چُرا
عشق پر بس نہ چلے گا تری دانائی کا

ہر نئی بزم تری یاد کا ماحول بنی
میں نے یہ رنگ بھی دیکھا تری یکتائی کا

نالہ آتا ہے جو لب پر تو غزل بنتا ہے
میرے فن پر بھی ہے پرتو تری رعنائی کا

جنوری ۱۹۵۹ء

قطعہ

داورِ حشر مجھے تیری قسم
عمر بھر میں نے عبادت کی ہے
تو مرا نامۂ اعمال تو دیکھ
میں نے انساں سے محبت کی ہے

جنوری ۱۹۵۹ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک شعر

ہر زخم، زبان بن رہا ہے
اب دردِ حیات میں کمی ہے

۲ر فروری ۱۹۵۹ء

رہائی:

۲۔ فروری ۱۹۵۹ء

پسِ پردہ

کیسا بپھرا ہُوا سنّاٹا ہے
ہانپتے ہونکتے جھونکوں کی قسم
تیرہ و تار افق پر اشجار
رقص کرتے ہُوئے جنّات کے خم
گر گئی سینۂ آفاق میں رات
کٹ گئے، وقت کے بے چین قدم
چمک اے چودھویں شب کے مہتاب
عالم افسردہ ہیں تیرے دم خم

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

چاند کہتا ہے پسِ پردۂ ابر
کون ظلمات کی دلدل میں پھنسے
میں کوئی لالۂ صحرا تو نہیں
کون سنسان فضا میں چمکے
کون آسیب سے رشتہ باندھے
کون ٹوٹی ہوئی قبروں پہ ہنسے
کیوں مرا خونِ جگر مفت بہے
چاندنی کیوں مری بیکار لٹے

ذہن کہتا ہے پسِ پردۂ کرب
"ایک پل پر نہیں صدیوں کا مدار
زندگی جھیل بھی ہے، چشمہ بھی
اور چشمے نہیں تھمتے زنہار
آدمی پھول بھی ہے، کانٹا بھی
اور کانٹے کا لچکنا دشوار
ڈھال فولاد بنے یا تہذیب
خالی جاتا نہیں تاریخ کا وار"

سوچتا ہوں میں پسِ پردۂ شب
گنگناتے ہوئے جھونکوں کی قسم
خواب آلود افق پر اشجار
رقص کرتی ہوئی لیلاؤں کے جسم
سینۂ ارض کو — بوسوں کے گلاب
دے گئے — وقت کے بے چین قدم
ابر پر چاند کی میت ابھری
صبح نے لوٹ لیے سب دم خم

اپریل ۱۹۵۹ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قطعہ

مانا، کہ طویل فاصلوں پر
برسوں کے غبار چھا گئے ہیں
محرومیٔ مشترک سے لیکن
ہم کتنے قریب آ گئے ہیں

اکتوبر ۱۹۵۸ء

ایک جھونکا

سرد جھونکا کوئی آیا کہ بگولا گزرا۔
آدمی ہو کہ لبِ جُو کا سرافراز درخت
اپنی نظروں میں تو قدموں سے اکھڑتا گزرا
سر جھکائے ہوئے، سوئے ہوئے گل یوں چونکے
جیسے بھونچال میں جاگ اُٹھتے ہیں پیڑوں پہ پرند
اور چلاتے ہیں یوں گونجتی خاموشی میں
جیسے بستی سے بپھرتا ہُوا دریا گزرا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

دھوپ جھلا کے نکلتی ہے تو ابر آتا ہے
مینہ برستا ہے تو بڑھ جاتا ہے ماحول کا حبس
شب کی تو بات ہی کچھ اور ہے، آخر شب ہے
دن کو ہر چیز کا ملبوس اُتر جاتا ہے
میری تہذیب کا پردہ، مری قدروں کا نقاب
سانپ کی کینچلی بن کر، کسی چوراہے پر
آدھے جاگے ہوئے انسان کو دہلاتا ہے

کن تضادوں میں تپاں ہے مری پروازِ خیال
دستِ تخلیق کی زنجیرِ طلائی کی قسم
ابھی انسان سے پوشیدہ ہے انساں کا جمال
ایک کہتا ہے غزل، ایک بناتا ہے بم
ایک کو دل بھی بہت، ایک کو آفاق بھی کم
اور پسِ ظلمتِ تہذیب، کئی صدیوں سے
چاند بننے کو ترستے ہیں محبت کے ہلال

مئی ۱۹۵۹ء

غزل

کچھ دل سے نگاہ بدگماں ہے
کچھ منظرِ یاد پر دھواں ہے

جب تک نہ جلے چراغ دل کا
ہر شے کا جمال رائگاں ہے

تو میرا شعور، میرا وجدان
تو میرا وجود، میری جاں ہے

تو اتنا قریب ہے، کہ تجھ سے
میں پوچھ رہا ہوں، تو کہاں ہے

شاہد ہے مری وفا شعاری
انسان بلا کا سخت جاں ہے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ٹوٹی ہوئی شاخ ہو کہ دل ہو
ہر زخم، بہار کا نشاں ہے

اک جست کا فاصلہ ہے، شرر تک
لیکن ترا پیار درمیاں ہے

میں عشق ہوں اور جاوداں ہوں
تو حسن ہے اور بے کراں ہے

تو ہو کہ ندیم ہو کہ یزداں
جو کچھ بھی ہے، زیرِ آسماں ہے

جون ۱۹۵۹ء

غزل

میں ہوں، یا تو ہے، خود اپنے سے گریزاں جیسے
میرے آگے کوئی سایہ ہے خراماں جیسے

تجھ سے پہلے تو بہاروں کا یہ انداز نہ تھا
پھول یوں کھلتے ہیں، جلتا ہے گلستاں جیسے

یوں تری یاد سے ہوتا ہے اجالا دل میں
چاندنی میں چمک اٹھتا ہے بیاباں جیسے

دل میں روشن ہیں ابھی تک ترے وعدوں کے چراغ
ٹوٹتی رات کے تارے ہوں فروزاں جیسے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

تجھے پانے کی تمنا، تجھے کھونے کا یقیں
تیرے گیسو مرے ماحول میں غلطاں جیسے

وقت بدلا، پہ نہ بدلا مرا معیارِ وفا
آندھیوں میں سرِ کہسار چراغاں جیسے

اشک آنکھوں میں چمکتے ہیں تبسم بن کر
آگیا ہاتھ ترا گوشۂ داماں جیسے

تجھ سے مل کر بھی تمنا ہے کہ تجھ سے ملتا
پیار کے بعد بھی لب رہتے ہیں لرزاں جیسے

میرے اشعار میں یوں دفن ہیں اسرار ترے
پردۂ ساز میں آواز ہو پنہاں جیسے

بھری دنیا میں نظر آتا ہوں تنہا تنہا
مرغزاروں میں کوئی قریۂ ویراں جیسے

غمِ جاناں، غمِ دوراں کی طرف یوں آیا
جانبِ شہر چلے دخترِ دہقاں جیسے

عصرِ حاضر کو سناتا ہوں اس انداز میں شعر
موسمِ گل ہو مزاروں پہ گل افشاں جیسے

زخم بھرتا ہے زمانہ، مگر اس طرح ندیم
سی رہا ہو کوئی پھولوں کے گریباں جیسے

جولائی ۱۹۵۰ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

خشک پتّے

جب ذرا تیز ہوا آتی ہے
خشک پتّوں کی صدا آتی ہے
خشک پتّے ۔ مرے عمروں کے رفیق
خشک پتّے ۔ مری تنہائی کے پھول
خشک پتّے ۔ مری غیرت کے اصول

گوشۂ گلشنِ ویراں کا سکوت
کتنا پُرہول ہے ۔۔ جیسے اک لاش
شب کی باہوں میں لٹک کر رہ جائے
چاندنی اس کا کفن ہو گویا
چار جانب سے اُبلتی ہوئی موت
سانس کو روک کے چلتی ہوئی موت

یک بیک ذہن پہ دستک دے کر
خشک پتّوں نے پکارا مجھ کو

"باغ اجڑا ہو کہ آباد رہے
ذہن اس فکر سے آزاد رہے
کہ یہاں اب نہ چلیں گے جھونکے
اور جو چیز جہاں رکھی ہے
حشر کے دن بھی وہیں دیکھو گے"

فصلِ گل ہو کہ خزاں کی رُت ہو
جب ذرا تیز ہوا آتی ہے
وقت کی آہٹیں گونج اٹھتی ہیں
خشک پتّوں کی صدا آتی ہے

"ہم ترے پاس بھی ہیں، ساتھ بھی ہیں
ہم وہی ہیں ۔ ترے عمروں کے رفیق
ہم وہی ہیں ۔ تری تنہائی کے پھول
ہم وہی ہیں ۔ تری غیرت کے اصول"

اکتوبر ؛ ۱۹۵ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

شانِ عطا کو، تیری عطا کی خبر نہ ہو
یوں بھیک دے کہ دستِ گدا کو خبر نہ ہو

چپ ہوں کہ چپ کی داد پہ ایمان ہے مرا
مانگوں دعا جو میرے خدا کو خبر نہ ہو

کر شوق سے شکایتِ محرومیٔ وفا
لیکن مرے غرورِ وفا کو خبر نہ ہو

اک روز اس طرح بھی مرے بازوؤں میں آ
میرے ادب کو، تیری حیا کو خبر نہ ہو

ایسی بھی کیا بلندیٔ معیارِ فصلِ گُل
یوں گُل کھلیں کہ موجِ صبا کو خبر نہ ہو

آزادیٔ خطا بھی تو ہے آدمی کی شان
بھٹکوں تو میرے راہنما کو خبر نہ ہو

نذرانۂ حیات سلیقے سے کر قبول
اے موت، میرے ذوقِ بقا کو خبر نہ ہو

نومبر ۱۹۵۹ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قطعہ

ایسے خورشید سے خالی ہے خلا
جو نکل آئے تو سائے نہ ڈھلیں
سورج اُبھرا تھا مگر ڈوب گیا
آؤ خود اپنی تمازت میں جلیں

نومبر ۱۹۵۹ء

دشتِ وفا ۱۵۸

غزل

یوں تو اس جلوہ گہِ حُسن میں کیا کیا دیکھا
جب تجھے دیکھ چکے، کوئی نہ تجھ سا دیکھا

جب تری دُھن میں کہیں لالۂ صحرا دیکھا
ہم یہ سمجھے کہ ترا نقشِ کفِ پا دیکھا

جب بھی سوچا کہ ترے شہر کے اُبھرے ہیں نقوش
اِک بگولا سا رواں بر سرِ صحرا دیکھا

تارے ٹوٹے تو فضا میں تری آہٹ گونجی
چاند نکلا تو ترا چہرۂ زیبا دیکھا

شہرِ غیبت میں بھی اپنی خوشی کیسے کم ہے
ہم نے دیکھا تجھے [illegible] انجمن آرا دیکھا

ہم کو ٹھکرا کے کچھ ایسے تُو نے تیور بدلے
جب سرِ بزم بھی دیکھا تجھے تنہا دیکھا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہم تو سمجھے تھے، قیامت ہے فراقِ محبوب
تجھ سے مل کر بھی مگر حشر بپا دیکھا

صبح جب دھوپ کے چشمے سے نہا کر نکلی
ہم نے آئینہ بہ دل، تیرا سراپا دیکھا

بجلیاں اب تو ترے ابرِ کرم کی برسیں
عمر بھر اپنے سلگنے کا تماشا دیکھا

ہم جو بھٹکے بھی تو کس شانِ وفا سے بھٹکے
ہم نے ہر لغزشِ پا میں ترا ایما دیکھا

ہم، بایں تیرہ نصیبی، نہ بنے تیرہ نظر
ہم نے ہر رات کی چتون میں ستارا دیکھا

تیری قدرت کی سیاست نہ سمجھ میں آئی
حرم و دَیر کو ہمدوش بیک جا دیکھا

آنکھ کھولی، تو جہاں کانِ جواہر تھا ندیم
ہاتھ پھیلائے تو ہر چیز کو عنقا دیکھا

دسمبر ۱۹۵۹ء

نیا سال

(عالمی حالات کے پس منظر میں)

رات کی اُڑتی ہُوئی راکھ سے بوجھل ہے نسیم
یوں عصا ٹیک کے چلتی ہے کہ رحم آتا ہے
سانس لیتی ہے درختوں کا سہارا لے کر
اور جب اس کے لبادے سے لپٹ کر، کوئی
پتّہ گرتا ہے تو پتھر سا لڑھک جاتا ہے

شاخیں ۔ ہاتھوں میں لیے کتنی ادھوری کلیاں
مانگتی ہیں فقط اِک نرم سی جنبش کی دُعا

ایسا چپ چاپ ہے سنولائی ہوئی صبح میں شہر
جیسے معبد کسی مُرجھائے ہوئے مذہب کا

سر پہ اپنی ہی شکستوں کو اُٹھائے ہوئے لوگ
اِک دوراہے پہ ۔ گروہوں میں کھڑے ہیں تنہا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

یک بیک فاصلے تانبے کی طرح بجنے لگے
قدم اُٹھتے ہیں تو ذرّے بھی صدا دیتے ہیں
"درد کے پیرہنِ چاک سے جھانکو تو ذرا
مردہ سورج پہ لٹکتے ہوئے میلے بادل
کسی طوفان کی آمد کا پتا دیتے ہیں"

یکم جنوری ۱۹۶۰ء

قطعہ

ممکن ہے، فضاؤں سے خلاؤں کے جہاں تک
جو کچھ بھی ہے، آدم کا نشانِ کفِ پا ہو
ممکن ہے، کہ جنّت کی بلندی سے اُتر کر
انساں کی عظمت میں اضافہ ہی ہُوا ہو

جنوری ۱۹۶۰ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

نارسائی کی قسم اتنا سمجھ میں آیا
حسن جب ہاتھ نہ آیا تو خدا کہلایا

سب حجاباتِ نظر، دل کے نہ دکھنے تک تھے
درد چمکا تو اندیشہ ابھی نہ رہنے پایا

جانے کیوں اب شبِ ہجراں پہ بھی پیار آتا ہے
تیرا غم میری محبت کو کہاں لے آیا

میں تری بزم سے اُٹھ کر بھی تری بزم میں ہوں
میں نے جب خود کو گنوایا تو تجھے اپنایا

رات کا شکر کر اے دوست، کہ دن ڈھلتے ہی
تیرے پیکر سے اچٹ آئے گا تیرا سایا

ابر کے چاک سے جب رات، ستارے جھانکے
اے مرے بھولنے والے، تو بہت یاد آیا

اشک آنکھوں میں جب آئے، چمک اٹھیں صدیاں
یوں کہ جس دور کو دیکھا اسے گریاں پایا

جب بھی دیکھوں کوئی شہ پارۂ فن، سوچتا ہوں
کتنے لوگوں نے مرا قصۂ غم دہرایا

خشک شاخوں پہ نمو کے یہ نگینے کیسا ہیں
زندگی ہے اگر اک پیڑ کی ڈھلتی چھایا

بیچ دوں کیوں اسے اک نانِ جویں کے بدلے
میں نے جس دل کے لیے ایک جہاں ٹھکرایا

اس توقع پہ کہ شاید کبھی انساں سنبھلے
ہر نئے ظلم نے جینے پہ مجھے اُکسایا

اپریل ۱۹۶۰ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

یاد کا چاند

کیسا سپنا ہے، تجھ سے ملتا جلتا خواب نظر آیا
یوں میرے ویرانۂ شب میں یاد کا چاند ابھر آیا

آنکھیں جیسے ٹوٹتی نیندیں، کچھ خوابیدہ، کچھ بیدار
پلکوں میں وہی اٹکا اٹکا گزرے ہوئے لمحوں کا خمار

گالوں پر بل کھاتی لٹ کچھ اس ڈھب سے لہرائی ہوئی
جیسے اک آوارہ بدلی چاند کی زد میں آئی ہوئی

ہونٹ، چٹکتی کلیاں جو معصوم بھی تھیں پرکار بھی تھیں
ظاہر میں نم ناک، مگر باطن میں آتش بار بھی تھیں

نیلی نیلی رگیں بھی وہی تھیں گردن کے مرمر میں رواں
جسم کی ساری نرماہٹ وہی تھی، جیسے میرا شعرِ جواں

میرا ماضی چار طرف سے گھیر کر مجھے بلانے لگا
اک اک پل چلا چلا کر شورِ حشر اٹھانے لگا

میں نے پلٹ کر دیکھا، لیکن سارا کھیل خیالی تھا
جسم کا حسن وہی تھا لیکن پیار کے حسن سے خالی تھا

مئی ۱۹۶۰ء

غزل

سانس لینا بھی سزا لگتا ہے
اب تو مرنا بھی روا لگتا ہے

کوہِ غم پر سے جو دیکھوں، تو مجھے
دشت، آغوشِ فنا لگتا ہے

سرِ بازار ہے یاروں کی تلاش
جو گزرتا ہے، خفا لگتا ہے

موسمِ گل میں سرِ شاخِ گلاب
شعلہ بھڑکے تو بجا لگتا ہے

مسکراتا ہے جو اس عالم میں
بخدا، مجھ کو خدا لگتا ہے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اتنا مانوس ہوں سناٹے سے
کوئی بولے تو بُرا لگتا ہے

اُن سے مل کر بھی نہ کافور ہُوا
درد یہ سب سے جُدا لگتا ہے

نطق کو ساتھ نہیں دیتا ذہن
شکر کرتا ہوں، گِلہ لگتا ہے

اِس قدر تُند ہے رفتارِ حیات
وقت بھی رشتہ بپا لگتا ہے

مئی ۱۹۷۰ء

غزل

کتنے نالے تھے جو شرمندۂ تاثیر ہُوئے
ریگِ زریں پہ کبھی قصر نہ تعمیر ہُوئے

جن کو شاخوں سے اُڑا لے گئیں امواجِ صبا
وہی گُل، خاکِ چمن کے لیے اکسیر ہوئے

شب کے پہلو میں کہیں پھوٹ رہی ہے پَو بھی
کبھی دنیا میں اندھیرے نہ جہانگیر ہُوئے

ہم اصولوں کے حصاروں میں چھپے لاکھ، مگر
اک نگاہِ غلط انداز سے تسخیر ہُوئے

وہی آواز کی قوسیں، وہی تانوں کے خطوط
چند نغمے تھے جو مل کر تری تصویر ہُوئے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک انداز تو ہے بے سروسامانی کا
ہم تری دُھن میں ترے غم سے بغل گیر ہوئے

ایک امیدِ ملاقات نے مرنے نہ دیا
تیرے پیماں مری سانسوں کے عناں گیر ہوئے

تجھ سے مل کر تجھے پا لینے کی حسرت جاگی
کچھ نئے خواب ترے خواب کی تعبیر ہوئے

اک خلا طے ہوئی ایک اور خلا کی حد پہ
اپنے شہپر نہ ہوئے حلقۂ زنجیر ہوئے

ہم نے ہر شعر میں تصویرِ جراحت کھینچی
لوگ وارفتۂ رنگینیٔ تحریر ہوئے

جون ۱۹۷۰ء

اے مشیت تری قوت کو سلام

تیری مٹھی میں ہے مہر و مہ و انجم کا نظام
ارض و مریخ ترے دم سے ہیں گردش میں مدام
مجھ سے کافر کو بھی کب ہے تری عظمت میں کلام
اے مشیت! تری قوت کو سلام

نہ ازل ہے کوئی نقطہ، نہ ابد کوئی لکیر
وقت بھی ہے ترے پیکانِ بعتا کا نخچیر
ان حصاروں سے ہے اونچا ترا معیارِ دوام
اے مشیت! تری قوت کو سلام

کتنی قرنوں سے خلا میں ہے زمین آوارہ
وقت کی دھول سے آزاد ہے یہ سیارہ
وہی خوابیدہ لیالی، وہی بیدار ایام
اے مشیت! تری قوت کو سلام

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

وہی جذبات کے بندھن، وہی رشتے، وہی جال
وہی معمولِ محبت، وہی کردارِ جمال
وہی اُلڈی ہوئی آنکھیں، وہی حسنِ سرِ بام
اے مشیت! تری قوت کو سلام

پھول کھلتے ہیں اسی طرح گلستانوں میں
اسی نرمی سے ہوا چلتی ہے میدانوں میں
سرِ ساحل ہے وہی موج کا اندازِ خرام
اے مشیت! تری قوت کو سلام

اب بھی انسان ہے اسباب و نتائج کا اسیر
قصر کے سائے میں اب تک ہے وہی جرمِ غفیر
وہی جینا ہے مصیبت۔ وہی مرنا ہے حرام
اے مشیت! تری قوت کو سلام

جنوری ۱۹۷۰ء

غزل

کون جگ میں ترا ہمسر دیکھے
کوئی اس دھند میں کیونکر دیکھے

عمر بھر ایک ترا دھیان رہا
یوں تو مہر و مہ و اختر دیکھے

آنکھ صرف آنکھ ہے، آئینہ نہیں
جو تجھے سامنے پا کر دیکھے

تیرے جاتے ہی یہ محسوس ہوا
عمر گزری تجھے پل بھر دیکھے

دُور ہی دور سُلگنے والے
کاش تو پاس بھی آ کر دیکھے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہم تو تھے حسن کے تاریخ نگار
ہم نے قیصر نہ سکندر دیکھے

لوگ ماضی کے دھوئیں میں ڈوبے
ہم نے گیسوئے معنبر دیکھے

نظر آئے انھیں سبزے میں بھی سانپ
ہم نے صحرا بھی ثمرور دیکھے

انھیں جسموں سے بتوں نے جھانکا
ہم نے پتھر میں بھی پیکر دیکھے

انھیں دریاؤں نے پیاسا مارا
ہم نے آنکھوں میں سمندر دیکھے

کون غالب سا سخن ور ہے ندیم
سیکڑوں یوں تو ہنرور دیکھے

جولائی - ۱۹۶۰ء

نذرِ فن کارانِ وطن

کیوں تیرگیِ ذہن کا الزام خدا پر
تو خود ہی دھواں بن کے مسلط ہے فضا پر

خوابوں کی یہ باتیں ہیں، کہ جب ظلمتِ شب میں
مشعل کا گماں تھا تری ایک ایک صدا پر

جب نشۂ تخلیق میں تو نے کبھی دیکھا
پھولوں کے سفینے تھے رواں موجِ صبا پر

اب تک ہیں مجھے تیرے خیالوں کے سفر یاد
جلتے تھے دیے جب ترے نقشِ کفِ پا پر

دریوزۂ جذبات کے باوصف: بظاہر
صرف اپنی لکیریں تھیں ترے دستِ دعا پر

یہ ذہن کے فردوس ترے فن کے نشاں تھے
یہ بھی کبھی سوچا کہ قدم تیرے کہاں تھے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اس سان سے بدلا ہے چلن عصرِ رواں کا
اب چاند بھی اک پھول ہے گلزارِ جہاں کا
تقدیر کے روکے بھی ابد تک نہ رُکے گا
انساں ہے اب اک تیر مشیّت کی کماں کا
اب فاصلے کچھ ہیں تو روایات کہن میں
اب حدِ نظر پر بھی گماں ہے رگِ جاں کا
اس درجہ بصارت کے افق پھیل گئے ہیں
تاروں پہ بھی دھوکا ہے رُخِ برق وشاں کا
وہ دل کا پھپھولا ہو، کہ داغِ رُخِ خورشید
محتاج ہے فن کار کی چشمِ نگراں کا
گو وقت شب و روز کے چکر میں رواں ہے
جب بھی نظر اُٹھتی ہے، گجردم کا سماں ہے

رہ رہ کے مجھے اب یہ خیال آنے لگا ہے
صدیوں کے اصولوں کو زوال آنے لگا ہے
مرمر کے دریچوں پہ ہیں ظلمات کے پہرے
مٹی کے گھروندوں پہ جمال آنے لگا ہے

ہے دھول سے لبریز اُدھر ساغرِ جمشید
گردش میں اِدھر جامِ سفال آنے لگا ہے
بہتر ہے کہ انجم حدِ امکاں سے نکل جائیں
انساں کو مقدر پہ جلال آنے لگا ہے
کیا خلد کی میراث پہ کچھ حق نہیں میرا
آدم کے لبوں پر یہ سوال آنے لگا ہے
سوئی ہوئی کس دُھن میں تری غیرتِ فن ہے
جاگا ہُوا انساں بھی تو موضوعِ سخن ہے

اگست ۱۹۶۰ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

شامِ فراق

برس رہا ہے فضا سے کسی کی یاد کا نور
ٹپک رہا ہے ستارے کی طرح زخمِ جگر
چمک رہے ہیں جھروکے مرے خیالوں کے
مری شکست کے چپ چاپ رہگزاروں پر
لپک رہے ہیں تصور، پری جمالوں کے
ہر ایک گزرا ہوا پل، کروڑوں روپ لیے
غبارِ وقت سے یوں جھانکنے لگا، جیسے
امڈ رہے ہیں افق سے، پرے غزالوں کے

وہ روشنی ہے کہ ہر چیز ہے برہنہ بدن
وہ ایک فرد کا غم ہو کہ روحِ عصر کا درد
جو راز دفن رہے مدتوں، قرن بہ قرن
کچھ ایسے فاش ہوئے جا رہے ہیں پے در پے
کسی شہید کی نظروں میں جس طرح ٹوٹے
غرورِ جبر و تشدد، طلسمِ دار و رسن
کلیم ہوں، مری شامِ فراق میرا طور
برس رہا ہے فضا سے کسی کی یاد کا نور

ستمبر ۱۹۶۰ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں محبت میں بھی توحید کا قائل ہوں، مگر
ظلم ہے حسن پہ پابندیٔ آدابِ وفا
حسن ہے صحنِ چمن، عشق ہے صحرائے بسیط
جس سے کترا کے نکل جاتی ہیں امواجِ صبا
اس کے باوصف بھرے شہر کی تنہائی میں
آج بھی میں نے سُنی ہے تری آہوں کی صدا
رَسن رسم سے جکڑی ہُوئی اس دنیا میں
حسن بھی عشق کرے گا، مجھے معلوم نہ تھا

اکتوبر ۱۹۶۰ء

توحید

دہر کو تشنگیٔ نازِ بتاں ہے اب تک
تو مری یاد میں کیوں سوختہ جاں ہے اب تک
تجھ کو اک مجھ سے، فقط مجھ سے محبت کیوں ہے؟
یہ تو میں مانتا ہوں، تو مری جاں ہے اب تک
کیوں مسرت سے ہے محروم تری شانِ جمال
کیوں مرا غم ترے چہرے سے عیاں ہے اب تک
میرا معیارِ وفا ہے ترے دم سے قائم
ہر گھڑی تو مری جانب نگراں ہے اب تک

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

تہذیب

پھر مرتب ہوئے تہذیب و ثقافت کے اصول
دُور تک پھیل گئے ریگِ رواں کے ٹیلے

آج کی بات نہ کر، آج تو جو کچھ ہے، سو ہے
میں تو یہ سوچتا ہوں، کل اسی ٹیلے کی بول
اَن گنت نقرئی خاروں میں پروئے ہوئے پھول
جانے اس دشت کے کس گوشۂ تنہائی میں
کسی ٹیلے کی منوں ریت کے نیچے دب کر
جب کوئی راہ نہ پائے گی تو چلّائے گی
'ہائے میں! ہائے مرے پھول وہ پیلے پیلے"

پھر مرتب ہوئے تہذیب و ثقافت کے اصول
دُور تک پھیل گئے ریگِ رواں کے ٹیلے

اکتوبر ۱۹۶۰ء

قطعہ

احساسِ جمال و ذوقِ فن کے
اِس درجہ بدل گئے قرینے
جل جل کے بجھے گہرتہِ آب
ساحل سے بندھے رہے سفینے

سچ

سقراط سے گلیلیو تک، سچ کے زہر سے
کتنی عقیدتوں کے جگر چاک ہو گئے
کتنے عظیم قوت و حشمت کے دیوتا
سیلِ شعور کے خس و خاشاک ہو گئے

سچ کو بسا کے دل میں، سفر پر چلا تھا میں
اک شانِ بے رخی سے، بساطِ حیات پر
کوسوں تک ایک بھی مجھے انساں نہ مل سکا
کتنا غرور تھا مجھے عرفانِ ذات پر

اُٹھتا رہا خیال میں طوفانِ زلفِ یار
سقراط یاد آتا رہا بات بات پر
روندے کچھ ایسے اپنی جبلّت کے بتکدے
محمود جیسے ٹوٹ پڑے سومنات پر
جب میں خودی کی آخری حد پر پہنچ گیا
خود اپنا سایہ پھیل گیا کائنات پر

اب سوچتا ہوں اپنی تھکن کے غبار میں
سچ زہر ہی سہی مگر اس میں نشہ بھی ہے
سچ کے کھنڈر پہ چڑھ کے صدا دے رہا ہوں میں
دُنیا میں کیا کوئی مجھے پہچانتا بھی ہے؟

اکتوبر ۱۹۶۰ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

یہاں سے دُور نہ ہوگا دیارِ موسمِ گل
شفق سے جھانک رہا ہے غبارِ موسمِ گل

وہی گلوں کا تبسّم، وہی کلی کا حجاب
رُخِ نگار ہے آئینہ دارِ موسمِ گل

چمن کی طرح مہکتا ہے اب بھی داغِ فراق
تمھاری یاد رہی یادگارِ موسمِ گل

ملا نہ ایک بھی گل، ورنہ دیکھ سکتا ہوں
عذارِ گل میں رُخِ تابدارِ موسمِ گل

شرر جو سنگ سے ٹوٹے تو پھول بن کے کھلے
جنوں میں بھی نہ اُٹھا اعتبارِ موسمِ گل

خزاں دلوں میں جڑیں چھوڑنے کی دُھن میں ہے
کہاں گیا مرا پروردگارِ موسمِ گل

اٹھو کہ اُٹھ کے سجائیں اک ایک خار پہ پھول
چلو کہ چل کے بڑھائیں وقارِ موسمِ گل

بنایئے سرِ راہِ بہار، میرا مزار
مری سرشت میں ہے انتظارِ موسمِ گل

ندیمؔ اپنی بہار آفریں غزل کی قسم
بدل سکیں گے نہ لیل و نہارِ موسمِ گل

نومبر ۱۹۶۰ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

دعویٰ تو کیا حسنِ جہاں سوز کا سب نے
دنیا کا مگر روپ بڑھایا تری چھب نے

تو نیند میں بھی میری طرف دیکھ رہا تھا
سونے نہ دیا مجھ کو یہ چشمیِ شب نے

ہر زخم پہ دیکھی ہیں ترے پیار کی مُہریں
یہ گُل بھی کھلائے ہیں تری سرخیِ لب نے

خوشبوئے بدن آئی ہے پھر موجِ صبا سے
پھر مجھ کو پکارا ہے ترے شہرِ طرب نے

درکار ہے مجھ کو تو فقط اذنِ تبسم،
پتھر سے اگر پھول اُگائے مرے رب نے

وہ حسن ہے انسان کی معراجِ تصور
جس حسن کو پُوجا ہے مرے شعر و ادب نے

دسمبر ۱۹۶۰ء

غزل

گل تر از رنگ چرا لانے ہیں گلزاروں میں
جل رہا ہوں بھری برسات کی بوچھاڑوں میں

مجھ سے کترا کے نکل جا، مگر اے جانِ حیا
دل کی لَو دیکھ رہا ہوں ترے رخساروں میں

حسن بیگانۂ احساسِ جمال اچھا ہے
غنچے کھِلتے ہیں تو بِک جاتے ہیں بازاروں میں

ذکر کرتے ہیں ترا مجھ سے بعنوانِ جفا
چارہ گر پھول پرو لائے ہیں تلواروں میں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

زخم چھپ سکتے ہیں، لیکن مجھے فن کی سوگند
غم کی دولت بھی ہے شامل مرے شہکاروں میں

منتظر ہیں کہ کوئی تیشۂ تخلیق اٹھائے
کتنے اصنام ابھی دفن ہیں کہساروں میں

مجھ کو نفرت سے نہیں، پیار سے مصلوب کرو
میں تو شامل ہوں محبت کے گنہگاروں میں

نومبر ۱۹۶۰ء

غزل

انقلاب اپنا کام کر کے رہا
بادلوں میں بھی چاند ابھر کے رہا

ہے تری جستجو گواہ، کہ تو
عمر بھر سامنے نظر کے رہا

رات بھاری سہی، کٹے گی ضرور
دن کڑا تھا مگر گزر کے رہا

گل کھلے آہنی حصاروں میں
یہ تعطر مگر بکھر کے رہا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

عرش کی خلوتوں سے گھبرا کر
آدمی فرش پر اُتر کے رہا

ہم چھپاتے پھرے دلوں میں چمن
وقت پھولوں پہ پاؤں دھر کے رہا

موتیوں سے کہ ریگِ ساحل سے
اپنا دامن ندیم بھر کے رہا

دسمبر ۱۹۶۰ء

خدیجہ زہرہ

جس کا جسم الجزائر کے شہر عرفہ میں اُس وقت فرانسیسی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا، جب وہ فرانسیسی استبداد کے خلاف ایک مظاہرے میں حصّہ لے رہی تھی

جون ڈی آرک* کے پیکر سے نکلتی لَو نے
کتنے خاکے رسن و دار کے دکھلائے ہیں
کتنی پوشیدہ صلیبوں کے لگائے ہیں سراغ

جب کہیں قافلۂ عشق رواں ہوتا ہے
جوان کا شعلۂ بیباک جواں ہوتا ہے
بھڑک اُٹھتے ہیں سُلگتی ہوئی آنکھوں کے چراغ

* فرانس کی بہادر بیٹی جس نے اپنے وطن پر انگریزی تسلّط کے خلاف رزم کی۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

خون کی تیرگی درد چمک اُٹھتی ہے
جون کی چاپ سے تاریخ کھنک اُٹھتی ہے
الجزائر[2] میں دمک اُٹھتے ہیں روآن[1] کے داغ

کیا کبھی عظمتِ پیرس نے یہ سوچا بھی ہے؟
جون ڈی آرک، جمیلہ بھی خدیجہ بھی ہے

جنوری ۱۹۶۰ء

۱ فرانس کا وہ مقام جہاں جون ڈی آرک کو نذرِ آتش کیا گیا تھا۔
۲ الجزائر کی مشہور مجاہد خاتون جو عالمی احتجاج کے باعث موت کی سزا سے تو بچ گئی۔ مگر تادمِ تحریر محبوس ہے۔

غزل

بیکار ہے گرہ ترے بندِ نقاب کی
بادل سے چھن رہی ہے دمک آفتاب کی

اب تک زبان پر ہے ترے قرب کی مٹھاس
صدیوں کی طرح کٹتی ہیں گھڑیاں شباب کی

مبہم سی ایک آس پہ انسان زندہ ہے
جلتی ہے لَو، چراغِ حقیقت میں خواب کی

مجھ کو تو حسنِ خیر کے پھولوں کی ہے تلاش
ڈھکا رہا ہے شیخ چٹائیں ثواب کی

فصلِ بہار میں بھی وہ نخلِ ہیبتِ خزاں
دستِ دعا بنی رہی پتی گلاب کی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

دامانِ شب میں دن کے اُجالے کی بھیک ہے
تاروں میں بٹ گئی ہے کرن آفتاب کی

اک پل کی زندگی ابدیت سے کم نہیں
کس شان سے چلی ہے سواری حباب کی

ٹھہرا ہوں اس خطا پہ سزاوار دار کا
سب نعمتوں سے میں نے حیات انتخاب کی

ہر ہر قدم پہ طور بُلاتے رہے، مگر
فرصت کسے ندیمؔ سوال و جواب کی

جنوری ۱۹۶۱ء

تین سرزمینیں

سرزمینِ دل پہ ماضی کے رواں ہیں کارواں
چار سُو آراستہ ہیں کتنی یادوں کے نشاں
اک طرف چہرے کتابوں کی طرح رازوں سے پُر
اک طرف تیور، تقاضے! — اک طرف آنکھیں، زباں
اک طرف جلتے ہُوئے ہونٹوں کی شمعیں شعلہ بار
اک طرف اُڑتا ہُوا گیسوئے مشکیں کا دھواں
اک طرف صرف ایک پل میں گزرتے رات دن
اک طرف وہ پل کہ غش کھا جائے عمرِ جاوداں
اک طرف ہے وسعتِ گیتی، مگر محصور ہے
اک طرف ہے حلقۂ آغوش، لیکن بے کراں

سرزمینِ ذہن پر ہیں حال کے لشکر رواں
چار سُو آراستہ ہیں کتنے زخموں کے نشاں
اک طرف امید کے پیڑوں پہ بور آیا ہُوا
اک طرف گھرتی، اُمڈتی، دندناتی آندھیاں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اک طرف ڈرتے عقیدے، اک طرف مرتے یقیں
اک طرف صف بستہ ملبوسِ حقیقت میں گماں
اک طرف دشمن کو بھی دشمن پہ پیار آیا ہُوا
اک طرف نفرت کے نرغے میں خلوصِ دوستاں
اک طرف انسان خود اپنی نظر میں اجنبی
اک طرف ذرّوں کی مرّیخ و زحل سے شوخیاں

سرزمینِ حال پر ہے روحِ مستقبل رواں
چار سُو آراستہ ہیں کتنے خوابوں کے نشاں
اک طرف ویران رستوں پر چہکتے ہم سفر
اک طرف ملبے کے ڈھیروں پر لچکتی کہکشاں
اک طرف افراد کے رشتوں میں آہنگِ نسیم
اک طرف قوموں کی باتوں میں گلوں کی نرمیاں
اک طرف تارے عروجِ آدمی کے منتظر
اک طرف گھر کی منڈیروں پر حدودِ لامکاں
اک طرف حسن و محبت، اک طرف تقدیسِ خیر
اک طرف صرفِ آدمیت، اک طرف ہفت آسماں

غزل

اپنی آنکھوں میں بسالی تری حیرت میں نے
کہ پلک تک بھی نہ جھپکی دمِ رخصت میں نے

فن کے پردے میں بھی کی تیری عبادت میں نے
اپنے اشعار کو دی تیری صباحت میں نے

سچ کہوں، اپنی محبت پہ ندامت سی ہُوئی
جب بھی دیکھی تری اُتری ہُوئی صورت میں نے

چمک اُٹھتا ہے سرِ شام تری یاد کا چاند
کبھی تاریک نہ دیکھی شبِ فرقت میں نے

آج بھی ہے مرے غم پر وہی ماضی کی بہار
توڑ دی گردشِ ایّام کی ہیبت میں نے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

انتہا عشق کی یہ ہے کہ ترے ظلم میں بھی
کی ہے محسوس ترے پیار کی شدت میں نے

ایک شہپارۂ فن کی طرح محفوظ رکھا
اپنے دل میں ترا اندازِ جراحت میں نے

میرا دشمن بھی مرے پیار کا حق دار بنا
تجھ سے کی ہے کہ زمانے سے محبت میں نے

اک دیا ہے جو نہ بجھتا ہے نہ پاس آتا ہے
عمر کاٹی کہ گزاری شبِ غربت میں نے

آج انا الانس کا مفہوم انا الحق ہے ندیم
دار پر کھینچ کے بھی چُن لی نہیں نسبت میں نے

جنوری ۱۹۷۱ء

—

غزل

ہر ذہن میں منزل کا تصور تھا ہوائی
اپنے قدم اُٹھے تو زمانے کی بن آئی

اندازِ نظر کی ہے سب اعجاز نمائی
رنگت ہے سلگتے ہوئے صحرا کی حنائی

آوارہ نگاہی بھی اک اندازِ وفا ہے
ہر حسن، ترے حسن کی ہے جلوہ نمائی

شب کو تو ذرا مشعلِ رخسار کی لَو دے
دن کو تو مرے سائے نے کی راہ نمائی

طے کر بھی سکوں گا کہ نہیں، کون بتائے
پھیلا ہُوا تجھ تک ہے مرا دشتِ جُدائی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہر نقشِ قدم، گلشنِ صحرا کی کلی ہے
صحراؤں کی رونق ہے مری آبلہ پائی

سچ ہے کہ جہاں تابعِ آئینِ خدا ہے
ویرانۂ دل پر ہے مگر میری خدائی

دامن مرا تر ہے، مگر اے داورِ محشر
اک دردِ محبت ہے مری نیک کمائی

اشکوں سے جو بچ نکلی ہے شعروں میں ڈھلی ہے
جو بات مری خلوتِ دل میں نہ سمائی

فروری [illegible]

قطعہ

اس درد کا بھی کریں مداوا
اس دور کے چارہ گر کہاں ہیں
آنسو مرے دل میں گر رہے ہیں
نالے مرے خون میں رواں ہیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

مرا غرور، تجھے کھو کے، ہار مان گیا
میں چوٹ کھا کے مگر اپنی قدر جان گیا

کہیں افق نہ ملا میری دشت گردی کو
میں تیری دھن میں بھری کائنات چھان گیا

خدا کے بعد تو بے انتہا اندھیرا ہے
تری طلب میں کہاں تک نہ میرا دھیان گیا

جبیں پہ بل بھی نہ آیا گنوا کے دونوں جہاں
جو تو چھنا، تو میں اپنی شکست مان گیا

بدلتے رنگ تھے تیری امنگ کے غماز
تو مجھ سے بچھڑا، تو میں تیرا راز جان گیا

خود اپنے آپ سے میں شکوہ سنج آج بھی ہوں
ندیم، یوں تو مجھے اک جہان مان گیا

فروری ۱۹۶۱ء

ڈھلان

ریت پر ثبت ہیں یہ کس کے قدم؟
حسن کی رزم خرامی کی قسم
سرِ ساحل مری تخییلِ جواں گزری ہے
یا کوئی انجمنِ گل بدناں گزری ہے

موج نے نقشِ قدم چاٹ لیے
میری تخییل کے پر کاٹ لیے
لوگ دریاؤں کے انجام سے ڈر جاتے ہیں
اب تو رستے بھی سمندر میں اتر جاتے ہیں

مارچ ۱۹۶۱ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

(نذرِ غالبؔ)

ہنسی آتی ہے مجھ کو امتیازِ دشت و گلشن پر
گھٹا کعبے سے اُٹھتی ہے، برستی ہے برہمن پر

خمارِ خانہ ویرانی میں یوں محسوس ہوتا ہے
کہ جیسے بجلیوں نے رنگ چھڑکے ہیں نشیمن پر

چلو، دشتِ طلب میں ایک انساں تو نظر آیا
جو وہ مانے تو اپنی جان کہ دوں دستِ رہزن پہ

جفائے دوست کی مجھ سے شکایت ہو تو کیونکر ہو
وہ دیوانہ ہوں جس کو پیار آجاتا ہے دشمن پر

شمیمِ گُل تو رنگِ گُل کے بس میں بھی نہیں رہتی
خزاں کیوں ہاتھ پھیلاتی رہی دیوارِ گلشن پہ

قفس کی تیرگی کچھ کم نہ تھی ہول آفرینی کو
کرن کے روپ میں تلوار رکھ دی کس نے گردن پر

خدا کے سامنے کس منہ سے جائیں گے، خدا جانے
محبت کا کوئی دھبا نہیں ہے جن کے دامن پر

عناصر سے نمٹ کر، کیا بتاؤں، کس سے نمٹے گا
ندیمؔ اب آدمی کے ہاتھ ہیں خود اپنی گردن پر

مئی ۱۹۹۰ء

---

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

دیوانہ

ایک دیوانۂ کامل، سرِ گلزارِ حیات
ایک انبوہ میں چپ چاپ چلا جاتا ہے
ایک گل ہے کہ بگولے میں اڑا جاتا ہے

زندگی شور مچاتی ہے کہ۔ اے دیوانے
زندہ لمحوں کو تو بچے بھی نہیں کھو سکتے
اتنے بے حس تو فرشتے بھی نہیں ہو سکتے

بڑھتا جاتا ہے وہ دیوانۂ آسودہ خرام
اور کہتا ہے کہ ــ "اے ہم نفسانِ معصوم
جن کو معلوم ہیں جو راز، تمھیں کیا معلوم

رک تو جاؤں چمنستانِ جہاں میں ۔ لیکن
میری آنکھوں سے تم آنکھیں تو ملا لو پہلے
مٹھیاں کھول کے پتھر تو گرا لو پہلے"

مارچ ۱۹۶۱ء

غزل

فضا۔ پیتی ہوئی آنسو، ہوا ــ بھرتی ہوئی آہیں
نہ جانے کس جہاں کو لے چلیں سونی گزرگاہیں

وہی تشنہ لبی ہے اور وہی دشتِ غمِ دوراں
بزعمِ خویش یاروں نے تراشی تھیں نئی راہیں

خبر کیا تھی کہ یوں حساس ہوگا شب کا سناٹا
کراہیں بن کے گونج اٹھیں گی جب دبی ہوئی آہیں

اسے چھونا بھی ممکن، سوچنا بھی تجھ کو ناممکن
تری دنیا میں یارب تجھ کو پوجیں یا اسے چاہیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

زمیں کچھ اور اُبھری، آسماں کچھ اور سنولایا
ذرا انگڑائی لینے کو جب اٹھیں حسن کی باہیں

تمھارے بعد اک حسنِ ازل ہے، وہ بھی آوارہ
تمھارے چاہنے والے خدا سے اور کیا چاہیں

خراشیں دل کی ڈھونڈیں گی ندیم اک سیلِ خوں بن کر
یہی پگڈنڈیاں مل جل کے بن جائیں گی شاہراہیں

مئی ۱۹۶۱ء

بہار

اتنی خوشبو ہے کہ دم گھٹتا ہے
اب کے یوں ٹوٹ کے آئی ہے بہار
آگ جلتی ہے کہ کھلتے ہیں چمن
رنگ شعلہ ہے تو نکہت ہے شرار
روشوں پہ ہے قیامت کا نکھار
جیسے تپتا ہو جوانی کا بدن
آبلہ بن کے ٹپکتی ہے کلی
کونپلیں پھوٹ کے لَو دیتی ہیں
اب کے گلشن میں صبا یوں بھی چلی

جون ۱۹۶۱ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

یہ راز ہے جو از مرے انتظار کا
پژمردہ پھول، نقشِ قدم ہے بہار کا

آلامِ روزگار سے دل بجھ گئے، مگر
جلتا رہا چراغ تری رہگزار کا

مُند مُند گئی ہے گھُور کے مجھ کو بھنور کی آنکھ
ممنون ہوں کسی کے غمِ بے کنار کا

کیا پُوچھتے ہو میرے گناہوں کی سرگزشت
مجرم ہوں صرف پیرہن تار تار کا

ہے آفتابِ مغربیاں مائلِ غروب
مشرق کی سمت ڈھلنے لگا سایۂ دار کا

کاٹیں گے کیسے شب کو جوانانِ عصرِ نو
اُن کو تو دھوپ پر بھی گماں ہے غبار کا

کلیاں تو زلفِ یار میں گوندھوں مگر ندیمؔ
ماتم تو کر لوں اُجڑی ہوئی شاخسار کا

جون ۱۹۶۱ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

یہ ستارے

دن تو آلام کا میلہ ہے، سو کٹ جاتا ہے
چھپ کے رو لیتا ہوں، محفل میں چہک لیتا ہوں
(کتنی صدیوں سے یہی ہے مری دنیا کا چلن)
شب کو لیکن یہ ستارے نہیں سونے دیتے
سوچتا ہوں۔ مرے دل میں تری یادوں کی طرح
سینۂ شب پہ ستارے ہیں کہ زخموں کے چمن،
کون جانے کہ پسِ پردۂ ظلمات ہے کیا
اور پسِ پردۂ ظلمات ستارے ہی تو ہیں
یہ ستارے غمِ پنہاں کے اشارے ہی تو ہیں

جون ۱۹۷۱ء

غزل

آ گیا راس شکستوں کا شمار آخرِ کار
چھپ گئے یاد کے پھولوں میں، اُمیدوں کے مزار

سورج اُبھرا ہے، کہ ڈوبا ہے، کہ گہنایا ہے
یا فقط اپنے لہو سے ہوئی دھرتی گُل نار

اتنی ارزاں تو نہ تھی درد کی دولت پہلے
جس طرف جائیے، زخموں کے لگے ہیں بازار

بوندیں بجتی ہیں کہ کنکر درِ تنہائی پر
ابر گھر آیا ہے یا ٹوٹ پڑے ہیں کہسار

سر بچا لائے سو ہے لیکن یہ زیاں تو دیکھو
کتنا ویران ہے، تا حدِ نظر منظر دار

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

آدمی لاکھ بڑھے، فاصلے گھٹتے ہی نہیں
ہٹتا جاتا ہے، مگر چھٹ نہیں پاتا ہے غبار

جوئے شیر آج بھی شیریں کے قدم دھوتی ہے
آج بھی تیشۂ فرہاد سے اڑتے ہیں شرار

وسعتِ دہر اک اجڑا ہوا معبد ہوتی
روزِ اوّل اگر ابلیس نہ کرتا انکار

نام اس طرح جو مٹتا ہے تو مٹ جائے ندیم
کسی قیمت پہ نہ کم ہو مرے فن کا معیار

جولائی ۱۹۷۱ء

مراجعت

(خلا میں انسان کی پرواز)

میری لب بستگی پر نہ جاؤ
میرے دل میں قیامت بپا ہے
جانے کیا کیا ہیں میرے ارادے
ذہن چھلکا چلا جا رہا ہے
کیا بتاؤں، کہ لمحہ گزر کر
میرے کانوں میں کیا کہہ گیا ہے
یوں دمادم قدم اٹھ رہے ہیں
وقت حیراں کھڑا سوچتا ہے
طیش میں لاکھ آئیں عناصر
ابنِ آدم کہاں مانتا ہے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جتنے چبھتے ہیں تلووں میں کانٹے
حوصلہ اور بھی بڑھ رہا ہے
ایک چپ چاپ صحرا ابد کا
مجھ سے پوچھو، افق پار کیا ہے
کیوں لرزنے لگے ہو ستارو
یہ تو پرواز کی ابتدا ہے
آسماں میری منزل نہیں ہے
آسماں تو خلا ہی خلا ہے
اپنی گم گشتہ جنّت کو پالوں
صرف اتنا مرا مدعا ہے
ہوشیار اے فرشتو، کہ پھر سے
ایک سجدے کا وقت آرہا ہے

یکم اگست ۱۹۹۱ء

قطعہ

یہ حادثہ بھی رہے گا شامل
آدم کے عروج ہی کی مد میں
انسان اُبھر کر آگیا ہے
اِک شعلۂ بے اماں کی زد میں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

لاکھ راہوں میں گزرنے کی کوئی راہ نہیں
منزلیں کھو گئیں تاریخ کے ویرانوں میں
جاگتے جاگتے کس طرح کٹے عمر کی رات
آنکھ سے خانوں میں لگتی ہے نہ غم خانوں میں
جن کو صدیوں کی عبادت سے بھی نفرت ہی ملی
میں بھی شامل ہوں انہی سوختہ سامانوں میں"

ستمبر ۱۹۶۱ء

جدید انسان

آج اک انسان سے مل کر مجھے محسوس ہوا
جیسے محصور ہوں میں سیکڑوں انسانوں میں
اس کے چہرے پہ چمکتی تھیں ہزاروں آنکھیں
جس طرح دیو، اساطیر کے رومانوں میں
اس کے باوصف اس انسان نے یوں باتیں کیں
جیسے تاریکیٔ شب گونج اٹھے کانوں میں
"فقط اتنا سا تغیر ہے کہ اس دور کے لوگ
جھانکتے پھرتے ہیں غیروں کے گریبانوں میں
جن کو یہ بھی نہیں معلوم، کہ کل کیا ہوگا
اب بھی انسان کی گنتی ہے اُن اَن جانوں میں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

(نذرِ سودا)

محور ہے یہی خواجگیِ کون و مکاں کا
نازک سا جو اک ربط ہے دل سے رگِ جاں کا

میں خوش ہوں اگر دادِ وفا پائی کسی نے
اتنا تو بتا دو کہ یہ قصہ ہے کہاں کا

مہمل ہے بہاروں کے لیے اسلحہ بندی
کیا کام ہے کلیوں کے چٹکنے میں سناں کا

اے کارگہِ حسن میں خود حسن کے منکر
مجھ کو تو ہے دل پر بھی گماں شہرِ بتاں کا

صحرا بھی چھلکتے ہوں جہاں لالہ رخوں سے
ہے کفر وہاں صرف تصور بھی خزاں کا

چھوتی ہے تجھے لہر تو گھل جاتا ہے سونا
کل تک تو کوئی رنگ نہ تھا آبِ رواں کا

لفظوں میں ترا رنگ ہے شعروں میں ترا سحر
کہنے کو تو شہرہ ہے مرے حسنِ بیاں کا

اکتوبر ۱۹۷۱ء

رُوح لبوں تک آ کر سوچے

روح لبوں تک آ کر سوچے — کیسے چھوڑوں قصرِ جاں
یوسف، قصرِ شہی میں بھی، کب بھولا کنعاں کی گلیاں

موت قریب آئی تو دنیا کتنی مقدس لگتی ہے
کاہشِ دل بھی خواہشِ دل ہے، آفتِ جاں بھی راحتِ جاں

میری وحشت کو تو بہت تھی گوشۂ چشمِ یار کی سیر
یوں تو عدم میں وسعت ہو گی عرش بہ عرش، کراں بہ کراں

غنچے اب تک رنگ بھرے ہیں، اب تک ہونٹ امنگ بھرے
ٹوٹی پھوٹی قبروں سے ہیں پتھرائی آنکھیں نگراں

صرف اک نگہِ گرم سے ٹوٹیں، شعلوں میں پروان چڑھیں
ہائے یہ نازک نازک رشتے، ہائے یہ بزمِ شیشہ گراں

دشت و دمن میں، کوہ و کمر میں، بکھرے ہوئے ہیں پھول ہی پھول
روئے نگارِ گیتی پر ہیں ثبت مرے بوسوں کے نشاں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

آنکھ کی اک جھپکی میں بِیتا کتنے برس کا قربِ جمال
عشق کے اک پل میں گزرے ہیں کتنے قرن، کتنی صدیاں

ساری دُنیا میرا کعبہ، سب انساں میرے محبوب
دشمن بھی دو ایک تھے، لیکن دشمن بھی تو تھے انساں

دردِ حیات کہیں اب جا کر بننے لگا تھا حسنِ حیات
کس کو خبر تھی، محو رہے گی قطعِ سفر میں عمرِ رواں

جنت کی یخ بستگیوں کو گرمائے گا اس کا خیال
صبحِ ابد تک جمی رہے یہ انجمنِ آتش نفساں!

اکتوبر ۱۹۶۱ء

قطعہ

ماحول کے خول سے نکل کر
یہ نکتہ سمجھتے، کاش! ہم لوگ
ہر فرد کے اَن گنت خدا ہیں
اب تک ہیں صنم تراش ہم لوگ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

فنونِ لطیفہ

کلی چٹکتی ہے، جیسے کماں کڑکتی ہے
لہو میں ڈوب کے کھلتے ہوئے چمن کی قسم
گلوں کے روپ میں بکھرے ہوئے ہیں تن پارے
فصیلِ رنگ سے لاٹے کی موجِ آتش بار
ہری ہری روشیں ہیں کہ زہر کے دھارے
گھرے ہیں کیسی قیامت کی فصلِ گل میں ہم
کچھ اس طرح سے ہیں گم سم، ہرے بھرے اشجار
کھڑے ہوں اُجڑے ہوئے مندروں میں جیسے صنم
سکوت، خلوتِ کنجِ چمن میں گریاں ہے
ٹھٹھر گئی ہے زمیں، وقت پابجولاں ہے
لرز رہے ہیں مگر زندگی کے لب کم کم

کوئی نہیں کہ جو فن کی گرفت میں لائے
اس ایک پل کو جو ہے خیمہ زن قرن بہ قرن
کوئی نہیں کہ جو چھو لے کٹار کی سی کرن
کوئی نہیں کہ جو اپنے لہو میں کرلے ضم
اس ایک پل کو، جو اک پل بھی ہے صدی بھی ہے
جو اہلِ رقص ہیں، شل ہو چکے ہیں ان کے قدم
جو اہلِ نغمہ ہیں، وہ ہیں لئے سے برسرِ پیکار
مصوروں نے کئی رنگ گھول کر دیکھے
نہ کر سکے مگر اک چشمِ شاہکار کو نم
پگھل گیا ہے چٹانوں میں دب کے سنگ تراش
اتر گیا ہے قلمکار کے جگر میں قلم

—

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کون سُنے

فرازِ دار سے تا بستیٔ حفاظتِ ذات
کوئی نہیں کہ جو احساس کی صدا سُن لے
اسی لیے تو ہر انساں کے لب پہ ہے یہ دعا
خدا کرے مری بپتا مرا خدا سُن لے

مطالبہ ہے یہ ہم عصر حق پرستوں کا
فضا میں چیخ سُنائی بھی دے دکھائی بھی دے
یقیں سے کون کہے نغمے ہیں کہ فریادیں
افق افق اگر اک شور سا سنائی بھی دے

بجھی بجھی مری آنکھیں، لٹا لٹا مرا روپ
کٹے کٹے مرے بازو، پھٹے پھٹے مرے لب
اب اس پہ بھی اگر اظہارِ درد لازم ہے
تو کس سے جا کے کہوں اپنی خامشی کا سبب

چٹانیں پیاس سے لٹکی ہوئی زبانیں ہیں
کوئی نہیں جو سُنے ان کا نوحۂ سنگیں
وہ لوگ سنگ میں آہنگ کیوں تلاش کریں
جنھیں گماں ہی رہا۔ پھول بولتے ہی نہیں

نومبر ۱۹۶۱ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

عرش پر جا کے بھی جو خاک نشیں ہوتا ہے
خاک ہو جائے تو آزردہ نہیں ہوتا ہے

وہ بہشتوں کے محل ہوں، کہ فرشتوں کی اڑان
سایہ ہر چیز کا بر روئے زمیں ہوتا ہے

وہ عقیدت کا نشہ ہو کہ محبت کا خمار
وہم بڑھ جائے تو بنیادِ یقیں ہوتا ہے

صرف دیکھو تو تجلّی بھی ہے ظلمت کا نقاب
اور پرکھو تو اندھیرا بھی حسیں ہوتا ہے

حشر بھی آئے تو سر جھک نہ سکے جس کے بعد
وہی سجدہ ہے جو معراجِ جبیں ہوتا ہے

دیکھنا چاہو تو نظروں کو ٹھکانا نہ ملے
حسن اس رنگ سے بھی پردہ نشیں ہوتا ہے

اب نہ وہ ہم نہ وہ ہنگامۂ احبابِ ندیم
پھر تماشا سا یہ کیا دل کے قریں ہوتا ہے

جنوری ۱۹۶۲

غزل

تو بگڑتا بھی ہے خاص اپنے ہی انداز کے ساتھ
پھول کھلتے ہیں ترے شعلۂ آواز کے ساتھ

ایک بار اور بھی کیوں عرضِ تمنا نہ کروں
کہ تو انکار بھی کرتا ہے عجب ناز کے ساتھ

لے جو ٹوٹی تو صدا آئی شکستِ دل کی
رگِ جاں کا کوئی رشتہ ہے رگِ ساز کے ساتھ

تو پکارے تو چمک اٹھتی ہیں میری آنکھیں
تیری صورت بھی ہے شامل تری آواز کے ساتھ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جب تلک ارزاں ہے زمانے میں کبوتر کا لہو
ظلم ہے، ربط رکھوں گر کسی شہباز کے ساتھ

پست اتنی تو نہ تھی میری شکست اے یارد
پر سمیٹے ہیں، مگر حسرتِ پرواز کے ساتھ

چہرے بیٹھے ہیں قفس پر کہ ہے صیاد کو وہم
پرشکستوں کو بھی اک ربط ہے پرواز کے ساتھ

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

جنوری ۱۹۶۲ء

سوداگریِ حُسنِ سخن

آنکھوں کے سمندر ہوں کہ ہونٹوں کے چمن ہوں
ہر جنس کا ہر شہر میں بازار لگا ہے
مرمر کے ہوں اجسام کہ سونے کے بدن ہوں
ہر جنس کا ہر موڑ پہ انبار لگا ہے
صندل کے ہوں تابوت کہ ریشم کے کفن ہوں

اس دور کا انسان ترا صاحبِ فن ہے
اے صاحبِ فن شعر پہ اچٹی سی نظر کیوں
یہ فن بھی تو سوداگریِ حسنِ سخن ہے
شاعر کی برستی ہوئی آنکھوں سے حذر کیوں
آنسو فقط آنسو ہی نہیں دُرِ عدن ہے

جنوری ۱۹۶۲ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

شبِ فراق کو جب مژدۂ سحر آیا
تو اک زمانہ ترا منتظر نظر آیا

تمام عمر کی صحرا نوردیوں کے بعد
ترا مقام سرِ گردِ رہگزر آیا

یہ کون آبلہ پا اس طرف سے گزرا ہے
نقوشِ پا میں جو پھولوں کے رنگ بھر آیا

کسے مجال کہ نظارۂ جمال کرے
اس انجمن میں جو آیا، بچشمِ تر آیا

تری طلب کے گھنے جنگلوں میں آگ لگی
مرے خیال میں جب وہمِ رہگزر آیا

سمٹ گیا مری باہوں میں جب دھنک پیکر
تو اس کا رنگ مجھے دور تک نظر آیا

اس آرزو میں کہ ضد کبریا کی پوری ہو
ندیمؔ خاک پہ، افلاک سے اُتر آیا

جنوری ۱۹۶۲

قطعہ

میری خاموشیِ پیہم پہ نہ جا
تو مجھے اب بھی نہیں بھولا ہے
چاندنی رات کی آواز تو سن
ابھی خورشید کہاں ڈوبا ہے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

یوں تو پہنے ہُوئے پیراہنِ خار آتا ہُوں
یہ بھی دیکھو کہ بسودائے بہار آتا ہُوں

عرش سے جب نہیں اُٹھتی مری فریاد کی گونج
میں تجھے دل کے خرابے میں پکار آتا ہوں

مجھے آتا ہی نہیں بس میں کسی کے آنا
آؤں بھی تو بکفِ آبلہ دار آتا ہوں

تُو وہاں، زیرِ افق، چند گھڑی سستا لے
میں ذرا ان سے نمٹ کر، شبِ تار آتا ہوں

تجھ سے چُھٹ کر بھی، تری سرخیِ عارض کی قسم
چپکے چپکے ترے دل میں کئی بار آتا ہوں

میرا ایثار اس الزام سے کیسا کم ہوگا
جانبِ دار بہ ہم قدِ یار آتا ہوں

یہ الگ بات کہ پھولوں پہ ہو زخموں کا گماں
میں تو جب آتا ہوں، ہم رنگِ بہار آتا ہوں

دشتِ ہر فکر سے، میں عصرِ رواں کا انساں
ہو کے خود اپنی ذہانت کا شکار آتا ہوں

انہی دو باتوں میں کٹ جاتی ہے شبِ عمر ندیم
اے غمِ دہر! نہ چھیڑ، اے غمِ یار! آتا ہوں

جنوری ۱۹۶۲ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

کیا کہوں اب تجھ کو اپنا کر بھی کیوں افسردہ ہوں
میں ترے پندار کی افتاد سے آزردہ ہوں

میں جدید انسان باوصفِ غرور و تمکنت
پتھروں کے دیوتاؤں کی نگاہِ مردہ ہوں

دوستوں کی نفرتیں بھی کیوں مجھے پیاری نہ ہوں
میں تو اپنے دشمنوں تک کا محبت خوردہ ہوں

منحصر ہے میرے مٹنے پر شگفتِ صد چمن
میں بظاہر شاخِ ہستی کا گلِ پژمردہ ہوں

میری سانسیں سنسناہٹ شہپرِ جبریل کی
کیا بتاؤں کن بہشتوں کی متاعِ بردہ ہوں

جنوری ۱۹۶۲ء

جنگل کی آگ

آگ جنگل میں لگی تھی لیکن
بستیوں میں بھی دھواں جا پہنچا
ایک اُڑتی ہوئی چنگاری کا
سایہ پھیلا تو کہاں جا پہنچا

تنگ گلیوں میں اُمڈتے ہوئے لوگ
گو بچا لائے ہیں جانیں اپنی
اپنے سر پر ہیں جنازے اپنے
اپنے ہاتھوں میں زبانیں اپنی

آگ جب تک نہ بجھے جنگل کی
بستیوں تک کوئی جاتا ہی نہیں
حسنِ اشجار کے متوالوں کو
حسنِ انساں نظر آتا ہی نہیں

فروری ۶۲ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

دیارِ عشق کا یہ حادثہ عجیب سا تھا
رُخِ رقیب پہ بھی پرتوِ حبیب سا تھا

فراق زخم سہی، کم نہ تھی جراحتِ وصل
معانقہ مرے محبوب کا صلیب سا تھا

ترے جمال کی سرحد سے کبریا کا مقام
بہت قریب تو کیا تھا، مگر قریب سا تھا

سنی ہے میں نے صدائے شکستِ نکہت و رنگ
خزاں کی راہ میں ہر پھول عندلیب سا تھا

برادرانِ وطن کے سلوک کی سوگند
ندیمؔ یوسفِ کنعاں کا ہم نصیب سا تھا

فروری ۱۹۶۲ء

غزل

پھولوں سے لہو کیسے ٹپکتا ہوا دیکھوں
آنکھوں کو بجھا لوں کہ حقیقت کو بدل دوں

حق بات کہوں گا، مگر اے جرأتِ اظہار
جو بات نہ کہنی ہو، وہی بات نہ کہہ دوں

ہر سوچ پہ خنجر سا گزر جاتا ہے دل سے
حیراں ہوں کہ سوچوں تو کس انداز میں سوچوں

سناٹے اُڑا دیتے ہیں آواز کے پُرزے
یاروں کو اگر دشتِ مصیبت میں پکاروں

آنکھیں تو دکھاتی ہیں فضا برف سے پیکر
جل جاتی ہیں پوریں جو کسی جسم کو چھو لوں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

چہرے ہیں کہ مرمر سے تراشی ہوئی لوحیں
بازار میں یا شہرِ خموشاں میں کھڑا ہوں

جینے پہ جو مجبور ہو، جی کر وہ کرے کیا
صحرا میں کبھی خضر جو مل جائے تو پوچھوں

ملتی نہیں جب موت بھی مانگے سے تو یارب
ہو اذن تو میں اپنی صلیب آپ اُٹھا لوں

یاد آنے لگا ہے مجھے انجامِ بہاراں
اے ابرِ کرم، تیری اجازت ہو تو رو لوں

سوکھا ہوا پتہ ہوں مگر اے شبِ تاریک
میں ایک ستارہ ہوں اگر شاخ سے ٹوٹوں

مارچ ۱۹۶۲ء

قطعہ

برحق سہی میری موت، لیکن
جینے کے شعور کو کروں کیا
اے میرا دیا بجھانے والے
میں جلوۂ طور کو کروں کیا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

وہی بہشت کی تنہائیوں سے بیزاری
ہوئی نہ مجھ سے فرشتوں کی ناز برداری

مرے خیال میں جیسے جمالِ یار کی لَو
نہاں ہے شب کے دھوئیں میں سحر کی چنگاری

چھپا ہے یوسفِ عصرِ رواں مرے دل میں
کہ بڑھ رہی ہے بہت حسن کی خریداری

کلی کلی متحیر، چمن چمن پامال
ذرا بہار کی دیکھو تو گرم رفتاری

میں اُس مقام پہ ہوں ضبطِ عشق کے ہاتھوں
جہاں سکوت، صدا کی ہے آئینہ داری

گجر سحر کا بجا لوں تو ہو سند منظور
مرا گناہ سہی نصف شب کی بیداری

ہے ان کے پاس تبسم ہی ہر ستم کا جواب
وہ جن کے دل پہ رہی درد کی علمداری

نئی زباں میں مہذب اسی کو کہتے ہیں
بلند جس کا ہو معیارِ مردم آزاری

ندیم، چاند پہ انسان کے پہنچنے تک
ابھر نہ جائے عناصر کی چار دیواری

—

اپریل ۱۹۶۲ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

طوائف

صدیوں پہلے کا ذکر ہے، جب لوگ
خوف کو دیوتا سمجھتے تھے
سرخ کوندوں، سیہ گھٹاؤں کو
چیختی، پھٹتی ہواؤں کو
اپنے اپنے خدا سمجھتے تھے

قصرِ شاہی سے ایک شہزادی
بُت کدے کی طرف روانہ ہوئی
پتلیوں میں جواں لہو کی چمک
اور اچھوتے لبوں میں رس کی دمک
رُت بدلنے کا اک بہانہ ہوئی

دیوتاؤں کے پاؤں پر اس نے
خون چھڑکا بھری جوانی کا
جذبے معصوم، تجربے کم سن
روح تتلا کے رہ گئی، لیکن
جسم آغاز تھا کہانی کا

اک پجاری نے اس کا دشتِ بدن
چھو کے دیکھا تو غنچے کھلنے لگے
کونپلوں میں نمو کا رس مچلا
جسم کا جذبۂ ہوس مچلا
ابر اُمڈے، پہاڑ ہلنے لگے

کل کی اک سربلند شہزادی
آج سب کی نظر میں ہیٹی ہے
یوں تو بن ٹھن کے آئی ہے سرِ بام
اور "بنت الہوا" ہے اس کا نام
کنچنی دیوتا کی بیٹی ہے

مئی ۱۹۶۲ء

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غزل

(نذرِ میر)

کشتی تہنگ ہے ساری دنیا کی نظروں میں سمائی ہوئی
جتنے ہم تجھ سے کترائے، اتنی تری رسوائی ہوئی

ترکِ تعلق سے تو ہم نے غیرتِ عشق کو تجیہ کا تھا
تیرے تصور سے تو ورنہ برسوں بعد جدائی ہوئی

یادوں کے خلامات میں اب بھی ٹوٹ رہے ہیں ستارے سے
بجھ بجھ بن کر سلگ رہی ہے آج بھی آگ بجھائی ہوئی

پلٹ گئی رُت جب تک رنگِ چمن سے ہم مانوس ہوئے
یوں صیاد کے کہنے کو تو موسمِ گل میں رہائی ہوئی

دھول اُڑا میں دشتِ وفا میں آندھی بن کر نکہت و رنگ
بسترِ شب سے چُنیں کنیزیں جب کلیاں مرجھائی ہوئی

حسن و توازن کے رسیا ہیں، کیوں اضداد سے صلح کریں
اسی لیے تو صحنِ حرم میں برہمنوں سے لڑائی ہوئی

فانی ہے انسان تو کیسے لاکھوں برس سے زندہ ہے
سب دھندا ہے عجزِ نظر کا، ساری بات بنائی ہوئی

اب بھی ندیمؔ ضمیر پہ تیرے مصلحتوں کے پہرے ہیں
ورنہ کیسے رُک جاتی ہے بات زباں پر آئی ہوئی

مئی ۱۹۶۲ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ریستوران

ریستوراں میں سجے ہوئے ہیں کیسے کیسے چہرے
قبروں کے کتبوں پر جیسے مسلے مسلے سہرے

اک صاحب جو سوچ رہے ہیں پچھلے ایک پہر سے
یوں لگتے ہیں جیسے بچہ رُوٹھ آیا ہو گھر سے
کافی کی پیالی کو لبوں تک لائیں تو کیسے لائیں
بیرے تک سے آنکھ ملا کر بات نہ جو کر پائیں

کتنی سنجیدہ بیٹھی ہے یہ احباب کی ٹولی
کتنے اوجِ بلاغت پر ہے خاموشی کی بولی
ساری قوت چوس چکی دن بھر کی شہر نوردی
ماتھوں میں سے جھانک رہی ہے، مرتی دھوپ کی زردی

لمبی لمبی پلکیں جھپکے اک شرمیلی بی بی
بالوں کی ترتیب سے جھلکے ذہن کی بے ترتیبی
شوہر کو دیکھے تو لجائے۔ لاج کو اوٹ بنائے
ہر آنے والے پر اک بھرپور نظر دوڑائے

اک لڑکی اور تین جوان آئے ہیں کیسے کسائے
سانولے رُوپ کو گورے ملکوں کا بہرُوپ بنائے
باتوں میں نخوت باغوں کی، وحشت صحراؤں کی
آنکھوں کے چولھوں میں بھری ہے راکھ تمناؤں کی

اپنی اپنی انجمن سب کی، اپنی اپنی رائے
سب نے آنسو روک رکھے ہیں کون کسے بہلائے
ہر شے پر شک ہو تو جینا ایک سزا بن جائے
محور ہی موجود نہ ہو تو گردش کس کام آئے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

قہقہے، جیسے خالی برتن لڑھک کر ٹوٹیں
بحثیں، جیسے ہونٹوں میں سے خون کے چھینٹے چھوٹیں
حسن کا ذکر کریں یوں، جیسے اندھی پھول کھلائے
فن کی بات کریں یوں، جیسے بنیا شعر سنائے

سکڑی سمٹی روحیں، لیکن جسم ہیں دُہرے تہرے
ریستوراں میں سجے ہوئے ہیں کیسے کیسے چہرے

مئی ۱۹۶۲ء

غزل

پھول ہیں گلشن میں کچھ خوابیدہ، کچھ بیدار سے
بستی جاتی ہیں مری یادیں شمیمِ یار سے

لوگ کہتے ہیں انھیں تاریخِ انسانی کے موڑ
راستے جب جھوم اُٹھتے ہیں تری رفتار سے

کون گل چینوں کو سمجھائے کہ معصومانِ گل
کٹ تو سکتے ہیں، چٹک سکتے نہیں تلوار سے

اتنے بے مایہ نہیں ہوتے خزاں کے پھول بھی
رُت کا اندازہ نہ ہوگا نکہتِ گلزار سے

دل کا اک اک زخم، اک اک شمع بن کر جل اُٹھا
درد یُوں چمکا کسی کے شعلۂ گفتار سے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک پل گزرا کہ اک آئی قیامت ٹل گئی!
وقت نے سیکھا ہے اٹھلانا خرامِ یار سے

اس قدر پھیلا ہے زنداں کا حصارِ بے اماں
شہر بھی لبریز ہیں زنجیر کی جھنکار سے

زندگی مشکل ہے لیکن موت بھی آساں نہیں
دشت میں سر پھوڑنے نکلے ہو کس دیوار سے

لالۂ صحرا کبھی، سنگِ رہِ دریا کبھی
زندگی! تو نے مجھے برتا ہے کتنے پیار سے

حسنِ شیریں اب بھی ہے شاید اسیرِ قصرِ سنگ
ورنہ کیوں آتی ہے تیشے کی صدا کہسار سے

شعر کہنے کا مزا جب ہے کہ صدیوں تک ندیمؔ
آئینے بنتے چلے جائیں مرے اشعار سے

مئی ۱۹۶۲ء

جواز

علم بڑھتا ہے تو بڑھ جاتی ہے ہر چیز کی پیاس
پیاس ہے اصل میں تاریکیِ دوراں کا چراغ
ہے اسی پیاس پہ شادابیِ عالم کی اساس
جتنا ویراں ہو شکم، اتنا مہکتا ہے دماغ
کس قدر پھول کھلے ہیں سرِ راہِ افلاس
بدلا بدلا نظر آتا ہے نظامِ کونین
جیسے انساں ہوں مسرور، فرشتے ہوں اداس
علم بڑھتا ہے تو بڑھ جاتی ہے ہر چیز کی پیاس

اب یہ عالم ہے کہ تنہائیِ شب میں اکثر
کبریائی کی بھی سنتا ہوں صدائے انفاس
میری وحشت سے ڈریں دہر کے علم فروش
ہر حقیقت کو جو کر لیتے ہیں پابندِ لباس
علم بڑھتا ہے تو بڑھ جاتی ہے ہر چیز کی پیاس

اب تو ہر درد کا درماں ہے نئے درد کی ٹیس
اب تو ہر زخم کسی زخم کا ہے درد شناس
اب تو کہلاتا ہوں میں مملکتِ دل کا رئیس
جام خالی ہے مگر دولتِ احساس ہے پاس
رہ گئی تشنگیِ لب، تو حقیقت یہ ہے
علم بڑھتا ہے تو بڑھ جاتی ہے ہر چیز کی پیاس

مئی ۱۹۶۲ء

ہجر و وصال

شب، ترے جسم کو چھو کر مجھے محسوس ہُوا
دل کے جنگل میں نہ پہنچے گی ترے لمس کی آگ
نہ وہ لرزش تھی بدن میں، نہ لہو میں دم تھا
تیری بانہیں تھیں کہ اک سلسلۂ ماتم تھا
وقت نے لوٹ لیا تھا ترے پیکر کا سہاگ

اب کہ تو شب کی طرح میری رسائی میں نہیں
میری رگ رگ میں ترے لمس کے شعلے ہیں رواں
میرے ہاتھوں کی یہ پوریں ہیں کہ شمعوں کی لویں
میرے ہونٹوں میں تپاں ہیں تری سانسوں کی رُتیں
میری آنکھوں میں بسا ہے تری زلفوں کا دھواں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جانے یہ کون سی منزل ہے تری چاہت کی
تیرے ملتے ہی بدل جاتا ہے معیارِ جمال
تیرے چھٹتے ہی مرا عشق جواں ہوتا ہے
رات پر بھی تری آنکھوں کا گماں ہوتا ہے
یہ فراقِ تن و جاں ہے کہ غبارِ مہ و ساں

جولائی ۱۹۶۲ء

مشرق و مغرب

گرم ملکوں کا رہنے والا ہوں
برف زاروں سے کتنے ساگر دور
ایک چھالے کی طرح صحرا میں
میرا خاکستری گھروندا ہے
جس کے چٹخے ہوئے کواڑوں پہ
جس کی دہلیز کے نشیب کے پاس
فنِ تعمیر کا پرانا پن
ایک ویرانہ بن کے بیٹھا ہے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

چاندنی رات سرد ملکوں کی
نیلی برفوں میں منعکس ہو کر
اپنی کرنوں کی جھالروں میں چھپی
ایک رومان بن کے آتی ہے
چاندنی رات گرم ملکوں کی
محنتوں کی تھکن کے سناٹے
اپنی ننگی کمر پہ لادے ہُوئے
ایک طوفان بن کے آتی ہے

سرد ملکوں کی دوپہر کا لباس
ایک ایسی مہین چادر ہے
جس کی پرتوں میں جسم کا سونا
قمقمے بن کے مسکراتا ہے
— اور اپنا لباس عریانی
جس پہ سورج شعاعوں کے کوڑے
اِس قدر طیش سے لگاتا ہے
راکھ کا ڈھیر چھوڑ جاتا ہے

گرم ملکوں میں حسن کی قدریں
کتنی اندھی، قدیم صدیوں سے
آگ بھڑکا کے اپنے پیکر کی
اپنے ہی گیسوؤں کا بن کے دھواں
زندگی کے اداس آنگن میں
اِک الاؤ لگائے بیٹھی ہیں
اور اس گردبادِ آتش میں
جل رہی ہیں گلاب کی کلیاں

گرم ملکوں کے عشق پیشہ جواں
دھوپ کی چلچلاتی نگری میں
ہل چلاتے ہیں، بیج بوتے ہیں
اور پھر عاقبت کو روتے ہیں؛
ان کی محنت پہ وجد کرتے ہُوئے
موتیوں سے لدے ہُوئے خوشے
جتنے بھرپور ہوتے جاتے ہیں
اِتنے ہی دُور ہوتے جاتے ہیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سرد ملکوں میں حسن و عشق کی رَو
زندگی سے قدم ملائے ہُوئے
آسماں کی طرح، فضا کی طرح
روز و شب پر محیط رہتی ہے
گھر میں، معبد میں، یا سرِ راہے
ہر طرف، ہر مقام پر، ہر وقت
جب بھی حسن اور عشق ملتے ہیں
گرم بوسوں کے پھول کھِلتے ہیں

سرد ملکوں میں کتنی گرمی ہے
جسم کی، روح کی، خیالوں کی
گرم ملکوں پہ سرد و مردہ سکوت
ایک آسیب بن کے طاری ہے
سرد ملکوں میں زندگی کا شعور
ایک ذرّے کو بھی سنوارتا ہے
گرم ملکوں میں موت کا احساس
ٹھوکریں زندگی کو مارتا ہے

سرد ملکوں کے رہنے والے دوست
میں کھنڈر کے ستون کی مانند
سوچتا ہوں۔ کہ اس خرابے میں
میں اگر بس وہی ہوں جو کچھ ہوں
میں اگر ولولوں کا ملبہ ہوں
میں اگر حوصلوں کا مرقد ہوں
میرے جینے کا پھر جواز ہے کیا
آخر اس بے بسی کا راز ہے کیا

سوچتا ہوں۔ (میں سوچ لیتا ہوں)
چاند جو میرے گھر میں نکلا ہے
تیرے ایوان میں بھی جھانکے گا
جس زمیں پر میں ایستادہ ہوں
نیلے نیلے سمندروں کے تلے
دبتی، اُٹھتی، لچکتی جاتی ہے
اور بن کر ترے وطن کی زمیں
تیرے قدموں کو تھپتھپاتی ہے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سوچتا ہوں — کہ میری حالتِ زار
کیا فقط رنگ کی شرارت ہے
کیا فقط اس لیے حقیر ہوں میں
کہ یہاں دھوپ چلچلاتی ہے
کیا فقط اس لیے عظیم ہے تُو
کہ تری کھڑکیوں کے شیشوں سے
جب کرن آفتاب کی جھانکے
برف اس کی ہنسی اُڑاتی ہے؟

رنگ اور رُت نہیں مدارِ حیات
رنگ سورج کا ایک زاویہ ہے
رُت فقط ایک رُخ ہے دھرتی کا
میرے چہرے کا رنگ میری دھوپ
تیرے چہرے کا رنگ، برف تری
تو مری دھوپ کو ترستا ہے
میں تری برف کے لیے بے چین
دو مسافر ہیں — ایک رستہ ہے
(نامکمل)

فردیات

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بجا، کہ جام بکف ہوں مگر شراب کہاں ہے؟
گجر تو، خیر، بجا لیکن آفتاب کہاں ہے؟

○

اس بے بسی میں آپ ہی اپنی نظیر ہیں
ہم نکہتِ چمن کے بھنور میں اسیر ہیں

○

میری بینائی کا دھوکا ہے کہ ایام کا پھیر
ابدیت کا افق ہے کہ گھروندے کی منڈیر

○

سحر بدست بھی ہے شب، اگر سیاہ بھی ہے
چٹان سنگ ہے، لیکن صنم پناہ بھی ہے

○

عمر بھر جلنے کا اتنا تو صلہ پائیں گے ہم
بجھتے بجھتے چند شمعیں تو جلا جائیں گے ہم

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کون یہ سوختہ جاں اُٹھا ہے　　شمعِ محفل سے دھواں اُٹھا ہے

○

آج کے دن کا بدل کیا ہوگا　　کل ہی سوچیں گے کہ کل کیا ہوگا

○

اب تجھ سا کوئی کہیں نہیں ہے　　اب تیرا فراق ہی حسیں ہے

○

چمکا ہے جو میرے دل میں شب بھر　　اس درد کی چاندنی میں آنا

○

تاروں بھرا آسماں ۔ محبت　　جذبات کا بحرِ بے کراں ۔ ہم

○

یہ ترے جسم کی مہکار تھی یا پھولوں کی　　میں ترے پاس سے یا صحنِ چمن سے گزرا

○

تم دیئے ہو جو لرزتے ہو صبا کے ڈر سے
ہم ستارے ہیں جو طوفاں سے گزر جاتے ہیں

○

میری یادوں کے افق پر آپ کے وعدوں کے چاند
اس قدر چمکے نہیں ہیں جس قدر گہنائے ہیں

مجھے قسم ہے مری شانِ آدمیت کی　　فریب دے نہ سکوں گا ۔ فریب کھائے تو میں

○

حق دارِ فصلِ گل کے وہی رہ نورد ہیں　　جو خاک چھان کر بھی نہ بھولے چمن کا نام

○

اگر چلے ہو مسافت خزاں کی طے کرنے　　بھری بہار کا بھی اہتمام کر کے چلو

○

شبِ سیہ کے ستارو مرے قریب رہو　　کہ میں افق پہ نگارِ سحر کو دیکھ آؤں

○

تہذیب کے طاق پر ہمیشہ　　جلتے ہیں چراغ مفلسی کے

○

اہرمن بن کے بھی دیکھا ہے، کہ انساں کا ضمیر
نور ہی نور ہے، شعلے کا کہیں نام نہیں

○

تاریخ کو تقدیر سمجھنے والو　　تاریخ تو تخلیق ہے انسانوں کی

○

شاہد ہے شکستہ پائی اپنی　　پہنچے نہیں ناگہاں یہاں ہم

○

دیدنی ہے شبِ فراق کا حسن　　موت آئی تو ہم بھی سو رہیں گے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ترے پہلو سے اُٹھ کر کھو گئے ہم — خیالوں کی گھنی تنہائیوں میں

○

سورج اُبھرا کہ قیامت جاگی — رات گزری کہ زمانے گزرے

○

ہر طرف پھوٹتی پَو کو دیکھو — ڈوبتے چاند کا ماتم نہ کرو

○

بادلوں کے حاشیے روشن ہیں کوندے کی طرح
کچھ تو ہے جس نے بدل ڈالا ہے ظلمت کا مزاج

○

تمام رات امیدوں کے چاک سلتے رہے
تمام شب ترے قدموں کی چاپ آتی رہی

○

میں اپنی تیرہ نصیبی کا بھید کیا کھولوں
کہ مجھ کو ساحلِ شب تو ملا، سحر نہ ملی

○

ہاتھ میں آتے ہی گُل کچھ اس طرح کملائے ہیں
ہم نے جتنے دھوکے کھائے ہیں وہ سب یاد آئے ہیں

صبح تیری ہے تو اے خالقِ صبح — رات ہے کس کی کرم فرمائی

○

گرتے ہوئے پتے ہوں کہ مینہ کے جھالے
ہر چیز میں گُنگنا رہی ہے تخلیق

○

یہ گزرتے ہوئے پل ہیں کہ تری آنکھیں ہیں
دن ہے آنسو کی طرح، رات ہے کاجل کی سی

○

آتشِ عشق جلاؤ کہ سفر ہے دشوار
راہ میں کتنے عقیدوں کا گھنا جنگل ہے

○

اک سفینہ ہے تری یاد اگر — اک سمندر ہے مری تنہائی

○

اے ڈوبتی رات کے ستارو — تم کتنے اداس ہو رہے ہو

○

بجھ گئی ہیں مری آنکھیں، مگر اے شامِ فراق
یہ دیئے اُن کے خیالوں میں تو جلتے ہوں گے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غرورِ عشق کو ضد ہے کہ تیرا عہدِ وفا
شکست کھا کے بھی تقدیس کھو نہیں سکتا

○

تخلیق کے ذوقِ جاوداں سے
اِنسان، خدا کا ترجماں ہے

○

بھولے گا نہ اے بہار، تیرا
چھپ چھپ کے کلی کلی میں آنا

○

بادل اُمڈے ہیں۔ آگ برسے گی
باغ مہکے ہیں۔ زاغ بولیں گے

○

یہ ترا تصرفِ حسن ہے کہ مرا غرورِ نیاز ہے
تری جستجو پہ بھی فخر ہے، تری ہمرہی پہ بھی ناز ہے

○

کیا جانے کیا اثر تھا شعورِ نگاہ میں
تارے چمک اُٹھے تری چشمِ سیاہ میں

○

اُمڈی ہیں گھٹائیں زلف کی
برسیں گے ستارے آسماں سے

○

ندیم، شعر فقط پرتوِ حیات نہیں
حدیثِ ذات بھی رودادِ کائنات بھی ہے

تکملہ

معاشراں گرہ از زلفِ یار باز کنید
شبے خوش است بایں قصہ اش دراز کنید

احمد ندیم قاسمی کے کلام کا یہ تیسرا مجموعہ ہے، جس کے تعارف کی تقریب میرے حصے میں آئی اور میری حالت حقیقتہً یہ ہے:

در عرضِ غمش پیکرِ اندیشہ لالم
پا تا سرم انداز بیان است و بیان نیست

ابتدا ہی میں مجھے بے تکلف عرض کر دینا چاہیے کہ تعارف کی یہ خدمت میں نے بطیبِ خاطر اپنے ذمے لی، اس کے لیے مجھے مجبور نہ کیا گیا۔ بلاشبہ اولاً میرے مشاغل ایسے نہ تھے کہ ایک بلند پایہ مجموعۂ کلام کے تعارف کا حق ادا کرنے کے لیے خاصا وقت نکال سکتا، جس میں دماغ کسی دوسری مصروفیت سے کاملاً محفوظ رہتا۔ ثانیاً مجھ میں کوئی ایسی خصوصیت موجود نہ تھی، جو اس اہم ادبی فرض کی بجا آوری کے لیے ضروری تسلیم کی جاتی ہے۔ مثلاً مجھے دورِ ماضی یا عہدِ حاضر کے اصول و دقائقِ نقد و نظر سے صرف سرسری شناسائی حاصل ہے۔ میں نے ان اساتذۂ شعر کے کلام کا بھی گہرا مطالعہ نہیں کیا، جن کے اسمائے گرامی دورِ حاضر میں آبروئے سخن مانے جاتے ہیں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہیں اور جنھوں نے اپنے خاص اسلوب پیدا کر لیے، اسی لیے اربابِ نقد و نظر تحریروں اور گفتگوؤں میں ان کے نام بے تکلف استعمال کرتے رہتے ہیں۔ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا کہ محاسن و معارفِ شعری کے فہم میں مجھے خاص بصیرت حاصل ہے۔ سب سے آخر میں یہ کہ میں، رومانی اسلوبِ بیان سے بالکل ناآشنا ہوں، حالانکہ آج کل انتقاد کے لیے یہ اسلوبِ بیان ضروری سمجھا جاتا ہے اور اسی کی بدولت مختلف ادبی مباحث میں ایک خاص وضع کی دل آویزی یا نمائش وسعتِ نظر نیز فکر کی گہرائی اور تحریر و تسوید کی گیرائی کا دبدبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے فارسی اور اردو کے بعض مشہور اساتذہ کا کلام مدت العمر انتہائی ذوق و شوق سے پڑھا ہے۔ اس شغف و انہماک سے شعر کی خوبیوں اور خوش اسلوبیوں کے متعلق جو کچھ میرے ذہن میں پیوست ہو چکا ہے، اسی کی بنا پر تعارف لکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ گویا "بضاعتِ مزجاۃ" کے ساتھ یوسف کی خریداری کے شوق میں نکل پڑا۔ اس دائرے میں قدم رکھنے کی جسارت کی، جہاں علم و تحقیق میں رتبۂ بلند حاصل کیے بغیر کسی کو بار نہیں مل سکتا۔ اس جسارت کے لیے میرے پاس کوئی معقول و دلپذیر عذر بھی موجود نہیں، البتہ میری آرزو یہ تھی کہ کوئی مناسب موقع میسر آ جائے تو ندیم کی شاعری کے متعلق اپنے دلی تاثرات پیش کروں۔ امید ہے اربابِ فکر و نظر از راہِ لطف و نوازش میری کوتاہیوں اور درماندگیوں سے اغماض فرمائیں گے۔ میں اپنی انتہائی فرومایگی کے باعث اپنے آپ کو ان کی نکتہ چینی کے شایاں بھی نہیں سمجھتا۔ بقول نظیری:

آں شکارم من کہ لائق ہم بہ کشتن نیستم
شرم می آید مرا زاں کس کہ صیاد من است

میں مدت تک ندیم کے مجموعہ ہائے کلام بھی بالاستیعاب نہ پڑھ سکا۔ ان کی متفرق نظمیں اور غزلیں ہی دیکھ کر یہ احساس پختہ تر ہوتا گیا کہ جو دل سوز صدائیں ان کے دردمند قلب سے اٹھ رہی ہیں وہ عام نہیں، خاص ہیں۔ ان میں ایک نادر کشش، ایک یگانہ جاذبیت اور ایک انوکھی دل آویزی ہے۔ چنانچہ جب کبھی ان سے ملاقات ہوئی، یہی کہتا کہ بھائی! آپ کو قدرت نے صرف شعر کے لیے پیدا کیا ہے۔ کتنا ظلم ہے کہ آپ پورا وقت شعر ہی کے لیے وقف کر دینے کی بجائے دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کاش آپ صرف شعر سے وابستہ رہتے۔

مرزا غالب کا ایک مشہور شعر ہے:

رندِ ہزار شیوہ را طاعتِ حق گراں نبود
لیک صنم بہ سجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

شعر کے متعلق میرا احساس یہی ہے کہ یہ فن یا شغل دوسرے فنون و مشاغل سے اشتراک کا روادار نہیں۔ اس کا تقاضا یہی ہے کہ شاعر کی توجہ تمام تر یا تو شعر پر مرتکز ہے یا وہ اس سے قطعِ علائق کر کے جو شغل چاہے، اختیار کر لے۔ شعر احساس و فکر کی ایک لطافت و نظافت اور ہر قسم کی آمیزش سے پاکیزگی کا خواہاں ہے۔ جب تک دل و دماغ ایک مجلّیٰ آئنے کی شکل اختیار نہ کر لیں، نہ عالمِ بالا کا فیضان اُس آئنے میں ٹھیک ٹھیک منعکس ہو سکتا ہے، نہ ماحول کے متعلق محسوسات بے آمیزش اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہر دوسرا شغل اس لطافت و نظافت میں کم یا زیادہ کثافت پیدا کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غیب سے جو کچھ قلب و دماغ پر وارد ہوتا ہے، وہ کامل جلوہ گری کے کمالات نہیں دکھا سکتا۔ یہ نکتہ تفصیل کا محتاج ہے، مگر میں ضمنی مباحث میں رشتۂ بیان پھیلا کر تعارف کو گرانبار نہیں بنانا چاہتا۔

میں نے ندیم کے مجموعہ ہائے کلام ایک سے زیادہ مرتبہ بہ دقتِ نظر پڑھے اور اس مجموعے کے بعض حصوں سے بھی لطف اندوز ہوا، جو اب منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ اس طرح ان کا اسلوبِ فکر و نظر لوحِ ذہن پر مرتسم ہوتا رہا اور شروع ہی سے ان کے متعلق میرا جو احساس تھا، وہ حقیقتِ ثابتہ بن گیا۔ اب میں اپنی استعداد کی حد تک پورا اندازہ کر چکا ہوں کہ جن تاثرات سے ان کا سینۂ صافی معمور ہے، انھیں وہ کس انداز میں پیش کرتے ہیں؟ ان کی شاعری کی خصوصیات کیا ہیں؟ وہ جس ماحول میں پیدا ہوئے، پرورش پائی، ہوشمندانہ زندگی کے بیشتر اوقات بسر کیے، اس سے وہ کس کس رنگ میں کس حد تک متاثر ہوئے؟ پھر ان تاثرات کو شعر کے سانچے میں ڈھال کر نغمہ و ترنم کا سر و سامان کیونکر کیا؟

کوئی شاعر، جسے شعر گوئی سے کچھ بھی فطری مناسبت ہے، ماحول سے بے تعلق اور غیر متاثر نہیں رہ سکتا۔ گرد و پیش کا ہر منظر، ہر واقعہ اور ہر سانحہ اس پر کم یا زیادہ اثر ڈالنے لگتا ہے۔ یہی تاثرات اس کی فطری کارگاہِ شعر میں نظم یا غزل یا قطعے یا رباعی یا مثنوی کی شکل اختیار

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کر کے ہمارے سامنے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ شعر کی خوبی کا مدار و انحصار اوّلاً اس پر ہے کہ قدرت نے شاعر میں ماحول سے متاثر ہونے کی صلاحیت کس مقدار میں ودیعت کی ہے۔ ثانیاً وہ ان تاثرات کو کتنے دلنشیں، پُر تاثیر اور ولولہ انگیز انداز میں پیش کرنے پر قادر ہے۔ یعنی خود ماحول سے متاثر ہو کر ماحول کو متاثر کرنے کی استعداد کا کیا عالم ہے۔ اسی تاثر و تاثیر، اسی فعل و انفعال اور اسی انجذاب و اندفاع یا داد و ستد پر شاعر کے مقام و مرتبہ کا انحصار ہے۔

شعراء کو متعدد طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں، البتہ اجمالاً عرض کر دینا چاہیے کہ بعض اصحاب کو مشاہدات و محسوسات کے بجائے تخیل سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے اور وہ بلند پروازی کی ترنگ میں گرد و پیش سے بڑی حد تک بے پروا ہو جاتے ہیں۔ بیشک انھیں زبان کی تراش خراش، الفاظ کے حسن، موزونیت اور مناسبت، بندش کی چستی، تراکیب کی دلآویزی اور محاورات کی برجستگی کا خاص خیال رہتا ہے۔ اسی طبقے میں سے بعض افراد اُن حدود سے ایک قدم بھی باہر رکھنا گناہ سمجھتے ہیں، جو اساتذہ کے کلام میں متعین ہو چکے، یہاں تک کہ نئی تشبیہوں یا جدید اسالیب بیان کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ کہہ دیتے ہیں کہ اساتذہ کے ہاں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔ ایک خاص دائرے میں جو فطری نہیں بلکہ خود ساختہ ہے، اپنے آپ کو مقید کر لینا جمود پیدا کرتا ہے۔ تاہم اس طبقے نے زبان و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ہمارے اساتذہ کا بڑا حصہ اسی طبقے سے متعلق ہے، مگر زبان و ادب بھی غیر نامی نہیں، نامی اجسام ہیں۔ ان میں بھی نئے نئے طرق و اسالیب کی راہیں کھُلی رہنی چاہییں۔ مدعا یہ نہیں کہ اُن تقیدات سے بھی کلّی بے اعتنائی اختیار کر لی جائے، جن کے بغیر کوئی زبان بہ لحاظ زبان محفوظ نہیں رہ سکتی اور ہر فرد کو حدیں پھاندنے کی کھُلی اجازت دے دی جائے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ زبان و ادب کے اندر نشو و ارتقاء کے جتنے بھی ممکنات موجود ہیں، انھیں بروئے کار آنے دیا جائے گا، تو زبان ترقی کرے گی، ورنہ پھیلے سمندر کے بجائے وہ ایک جوہڑ بنے گی، پھر یہ جوہڑ بھی رفتہ رفتہ خشک ہو جائے گا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، ان اساتذۂ کرام کی گراں بہا خدماتِ زبان و ادب سے قطعاً اعراض نہیں کیا جا سکتا، مگر شاعری کے جو حقیقی وظائف ہیں میرے نزدیک ان کے ذریعے

سے پورے نہ ہو سکے یا یوں کہیے کہ کما حقہ، پورے نہ ہو سکے۔ شاعری کا وظیفہ میرے اندازے کے مطابق بہت اہم ہے اور اس کا صحیح اندازہ عموماً نہیں کیا جاتا۔ اس وظیفے سے وہی باکمال اصحاب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، جو ماحول اور گرد و پیش کے حالات سے ٹھیک ٹھیک متاثر ہوں اور ان تاثرات سے ماحول کی اچھائیاں اُبھارنے اور خرابیاں دور کرنے کے لیے مؤثر طریق پر مسلسل کام لے سکیں۔ وہ اپنے رنج و راحت کے محدود دائرے سے نکل کر گرد و پیش کے رنج و راحت سے دلبستگی پیدا کریں۔ جس طرح ایک سلیم الحواس انسان رنج سے گریزاں رہتا ہے اور راحت کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے، اسی طرح شاعر کو بھی گرد و پیش کے رنج سے متالم اور گرد و پیش کی راحت سے مسرور ہونا چاہیے۔ تخیل یقیناً شعر کی جان ہے، مگر وہی تخیل جس کی بنیادیں گرد و پیش کے حالات و مشاہدات اور محسوسات و تاثرات پر قائم ہوں۔ جس شاعر کا قلب و دماغ عالمِ انسانیت کی نبض کے ساتھ متحرک نہ ہو، وہ اپنا حقیقی وظیفہ انجام نہیں دے سکتا۔ غالب کے الفاظ میں شاعر وہ ہے، جو مخلوق کی آنکھوں میں آنسو گن لینے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو اور سینوں میں آہ و فغاں کی تڑپ دیکھ سکے، پھر ان آنسوؤں اور اس آہ و فغاں کی مؤثر چارہ گری کے لیے زبردست حرکت پیدا کر سکے۔

اس سلسلے میں شعراء کے درجات متفاوت ہیں اور ان درجات کا انحصار ہر شاعر کے احساس کی شدت، تخیل کی ندرت اور طرزِ بیان کی تاثیر کے درجات پر ہے۔ ایک ہی واقع ہوتا ہے، مگر مختلف لوگ اس سے مختلف طریق پر متاثر ہوتے ہیں اور ان تاثرات کو پیش کرنے کا طریقہ بھی سب کا یکساں نہیں ہوتا۔ بعض ہنگامی تاثرات محض پیش کر دینے پر قناعت کر لیتے ہیں، بعض ان تاثرات کی بنا پر مصائب کے مستقل ازالے کو زندگی کا نصب العین بنا لیتے ہیں۔

میرے نزدیک اصل فطری شاعر وہی ہیں، جو زندگی کا ایک مستقل مقصد و نصب العین رکھتے ہیں۔ ندیم کا تعلق اسی زمرے سے ہے، جس کے افراد پہلے بھی کم رہے اور آج بھی کم ہیں۔ ظاہر ہے کہ نادر و کمیاب شے کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہونی چاہیے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک اور نکتے کی بھی تھوڑی سی وضاحت کر دوں، جس کے متعلق اکثر اصحاب کو غلط فہمی ہوتی ہے۔ ہمارے مشہور و بلند مرتبہ شعراء میں سے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بیشتر ایسے ہیں جنھیں اپنی زندگی میں بھی انتہائی قدر و منزلت حاصل رہی تاہم وہ برابر قدر ناشناسی کے شکوے کرتے رہے۔ غالب، نظیری، عرفی بلکہ اقبال تک کے کلام میں شکوے کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ بعض شعرا میں اس شکوے کو فخر و غرور پر محمول کیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں۔ شکوے کی ایک وجہ یقیناً یہ ہے کہ اُن کے ذہنوں میں زندگی کے نصب العین کی عظمت کا جو احساس تھا، ماحول میں اس کے لیے ویسی تڑپ کہیں نہ پائی گئی، جیسی پائی جانی چاہیے تھی دوسری اور اہم تر وجہ یہ ہے کہ یہ شکوہ بجائے خود اصل دعوت ہی کا ایک طریقہ ہے، یعنی وہ اِس طریقے سے دُنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے پیشِ نظر نصب العین کے لیے جتنا جذبہ پیدا ہونا چاہیے، اتنا پیدا نہیں ہُوا اور جذبے کا مطلوب درجہ حاصل کیے بغیر نصب العین کی تکمیل صورت پذیر نہیں ہو سکتی۔ یعنی یہ بھی نصب العین کی تبلیغ ہی کا ایک ذریعہ ہے، مگر خام اصحاب اسے انفرادی شکوہ قرار دے کر غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہر شاعر کی شعر گوئی کو فی الجملہ تین دوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ پہلے دَور میں بھی تاثرات کی کمی نہیں ہوتی، لیکن تمام تاثرات واضح اور نمایاں نہیں ہوتے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک مشاق رباب نواز کی مضراب تاروں پر سرگرمِ ورزش ہوتی ہے تو اس سے دلکشا اور روح افروز نغموں کی لہریں اُٹھنے لگتی ہیں۔ اُسی مضراب سے کوئی نوآموز کام لے گا تو تاروں سے آوازیں ضرور نکلیں گی، مگر ان میں وہ ترتیب و تنظیم نہ ہوگی جس سے نغمے ترکیب پاتے ہیں۔

اسی طرح فکری صلاحیت ان تاثرات سے ٹھیک کام نہیں لے سکتی اور زبان پر بھی شاعر کو پوری قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ غرض اس دَور میں فطری شاعر بھی جو کچھ کہے گا، وہ خامیوں سے پاک نہ ہوگا۔ خیالات و احساسات یا تو معین اور واضح نہیں ہوتے کہ دلوں پر پائدار اثر چھوڑیں یا ان میں اعلیٰ درجے کی گیرائی اور جاذبیت ہو۔ اسی طرح ہر خیال کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ کا انتخاب بھی ناپید نظر آئے گا۔ اس دور میں شاعر عموماً فکر و احساس کی کم مائگی یا شعور کے ضعف و نارسائی کی تلافی الفاظ کی فراوانی سے کرتا ہے۔

۲۔ دوسرے دَور میں فکر و احساس اور الفاظ و اسلوب کے درمیان ہم آہنگی و توازن

پیدا ہو جاتا ہے۔ شاعر جو کچھ کہتا ہے، وہ معناً بھی قیمتی اور وزنی معلوم ہوتا ہے۔ اسلوبِ بیان میں بھی زیادہ صفائی، شستگی، روانی اور انسجام نمایاں ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسرے دور کی شعر گوئی کو شاعر کی اصلی اور حقیقی شعر گوئی سمجھنا چاہیے! اس میں معنویت ایک بے پناہ سیل کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ الفاظ کی جامعیت بھی کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ بایں ہمہ الفاظ معانی کا ساتھ دیتے نظر نہیں آتے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ الفاظ کے جام و سبو معانی سے بھر کر چھلکنے لگتے ہیں اور سامعہ عرفی کے بیان کے مطابق کوثر و تسنیم کی لہروں میں تیرنے لگتا ہے۔ اس آخری دور کے شعروں پر آپ گہری نظر ڈالیں تو حیران رہ جائیں گے کہ شاعر نے شعر کے ایک ایک ٹکڑے میں متعدد پہلو کیونکر پیشِ نظر رکھ لیے، حالانکہ اسے شعر کہتے وقت ان تمام مختلف پہلوؤں کا واضح شعور ہی نہیں ہوتا۔ دل و دماغ میں شعر سے جو مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، وہ بے قصد و ارادہ شاعر کی فطری خصوصیتوں کے مطابق کارفرما رہتی ہے اور دل کی بات بے تکلف کہہ چکنے کے بعد شاعر کو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک شعر میں کتنے دلآویز نکتے پیدا کر گیا۔

اکثر شعرا صرف دوسرے دور تک پہنچتے ہیں اور تیسرے تک صعود و ترقی کی نوبت ہی نہیں آتی، لیکن بعض پہلے اور دوسرے دَور سے انتہائی تیزی کے ساتھ گزر جاتے ہیں گویا ان کے لیے آفتاب کا ہر طلوع و غروب ترقی و تعالی کی ایک نئی جست اور اقدامِ پیش رفت کا ایک نیا پیغام ہوتا ہے، یہاں تک کہ دیکھنے والوں کو متعین کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں پہلی منزل ختم ہو کر دوسری میں قدم رکھا گیا اور کب تیسری منزل کا آغاز ہو گیا۔ کسی بڑے شاعر کے کلام کا مطالعہ بدقتِ نظر کیا جائے تو یہ حقائق روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو جاتے ہیں احمد ندیم قاسمی کے متعلق بھی میرا احساس یہی ہے کہ انھوں نے تیسرے دَور میں درجۂ کمال حاصل کیا ہو یا نہ کیا ہو ــــ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ارتقا کی دوڑ میں کس منزل پر پہنچیں گے ــ تاہم ابتدائی دوروں سے وہ ایسی برق رفتاری کے ساتھ نکل گئے کہ ان کی حدیں متعین کرنا سہل نہیں

ایک اور ضروری نکتہ عرض کر دوں۔ حقیقتاً کوئی بھی شاعر زندگی کے حقائق سے اعراض نہیں کر سکتا اور جس شعر و ادب کی بنیاد زندگی کے حقائق پر نہ ہو، میرے نزدیک اسے شعر و ادب کہنا ہی مناسب نہیں۔ بعض شاعر ان حقائق سے زیادہ گہرا تعلق نہیں رکھتے، اس لیے ان کی شاعری

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اُس دنیا کی شاعری نہیں رہتی، جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں اور جس کی عکاسی یا سعیِ اصلاح میں ان کی تمام خداداد صلاحیتیں صرف ہونی چاہئیں۔ اگر ادب کی بنیاد زندگی پر قائم ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ مثبت حقائق کو نظرانداز کر دے؟ کیونکر ممکن ہے کہ وہ گرد و پیش نشیب و فراز دیکھے اور ہمواری کے لیے کوشاں نہ ہو؟ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ماحول میں جا بجا آہ و فغاں کے سامان مہیا پائے اور اپنی قوتِ تخلیق محض تفریح و تفنن کے لیے وقف رکھے؟ کیونکر ممکن ہے کہ وہ معاشرے کو اُن بنیادوں پر لانے کے لیے مسلسل و متواتر پُرجوش و روح افروز دعوت نہ دے، جن کے بغیر توازن پیدا ہو ہی نہیں سکتا؟ توازن پیدا نہ ہوگا تو معاشرہ قائم کیونکر رہے گا؟ توازن صحت ہے، عدمِ توازن بیماری ہے، ایسی خوفناک اور مہلک بیماری جس کا علاج کیے بغیر معاشرے کا بچنا محال ہے۔ اگر کوئی شاعر ـــ یا زندگی کے دائرے میں کام کرنے والا کوئی صاحبِ فن ـــ ماحول کو موجباتِ مرض کے ازالے پر آمادہ نہیں کرے گا تو لازماً اپنے وظیفے سے اعراض و تغافل کا مجرم ٹھہرے گا۔ اصل شاعر وہی ہے، جس کی شاعری کی بنیاد زندگی کے حقائق پر ہو۔ ندیم کی شاعری کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ اسے زندگی کے حقائق سے گہرا تعلق ہے۔ وہ کسی بھی دائرے میں کسی بھی مقام پر ان حقائق کو نہیں بھولتا، ان سے چشم پوشی نہیں کرتا، ان سے پہلو بچا کر نکلنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ وہ پورے ماحول کو اپنے مثالی تصور کے مطابق آراستہ کرنے کے لیے بیتاب ہے۔ اسی وجہ سے اس کی شاعری میں ایسی زندہ تڑپ پائی جاتی ہے، جو دل کی گہرائیوں میں پہنچ کر روحِ عمل میں ہنگامہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی مختلف مثالیں آپ کو آئندہ گزارشات میں جا بجا ملیں گی۔

ندیم کی شاعری پر گفتگو سے پہلے یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس ماحول میں پیدا ہوا؟ کن حالات کی آغوش میں تربیت پائی؟ اور زندگی کے ابتدائی دور میں اسے پے در پے کن تجربات سے سابقہ پڑا؟ جب تک یہ بنیادی امور پیشِ نظر نہ آ جائیں، اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اشعار جن محسوسات کی شدت سے مسلسل لبریز چلے آ رہے ہیں، ان کا سرچشمہ کیا ہے۔

ندیم نے خود "جلال و جمال" کی تمہید میں اپنے ابتدائی حالات بے کم و کاست بیان کر دیے تھے۔ اس کی پیدائش ایک گاؤں میں ہوئی، وہیں پرورش پائی۔ فطری ذکاوتِ احساس کے باعث اس

ماحول سے جو تاثرات اس نے قبول کیے، وہ کبھی دوسرے احساسات سے مغلوب نہ ہو سکے چنانچہ اس کی شاعری میں اسی فضا اور اسی ماحول کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، یہاں تک کہ اس نے اپنی شاعری کے نصب العین کے لیے جو سرو سامان مہیا کیا، وہ بھی بڑی حد تک دیہات ہی کی فضا سے ماخوذ ہے اور اتنا موزوں ہے، گویا یہ خلعت صرف اسی نصب العین کے لیے تیار ہوا تھا۔

دیہات کی فضا میں حسن، جاذبیت اور دلربائی کے اسباب کی فراوانی سے ندیم غافل نہیں، مگر اہلِ دیہات کی حالتِ زار نے اسے ابتدا ہی سے حد درجہ حزیں و دردمند رکھا۔ وہ کہتا ہے اور دیکھیے، کس درد و سوز اور شدتِ اندوہ سے کہتا ہے:

تیری نظروں میں تو دیہات ہیں فردوس، مگر — میں نے فردوس میں اُجڑے ہوئے گھر دیکھے ہیں
جن کو تو رستم و سہراب کہا کرتا ہے — وہ جواں میں نے یہاں خاک بسر دیکھے ہیں
میں نے گھوروں پہ پڑے دیکھے ہیں رخشندہ نجوم — میں نے لتھڑے ہوئے کیچڑ میں قمر دیکھے ہیں
میں نے پھولوں کو عفونت میں گھِرا دیکھا ہے — میں نے جلتے ہوئے مٹی میں گہر دیکھے ہیں

ندیم کا کمال یہ ہے کہ وہ حالات کی تصویر کشی ہی پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ اسی تصویر کشی کو دعوتِ فکر و عمل بھی بنا دیتا ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت مندرجہ بالا اشعار میں بھی نمایاں ہے، مگر آگے چل کر اس کی دعوت کا رنگ زیادہ کھل گیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

میں مہاجن کی تجوری کے کھٹکتا ہوں، راز — میں نے دہقان کی محنت کے ثمر دیکھے ہیں
سبز کھیتوں میں مجھے زہر نظر آیا ہے — زرد خوشوں کی رداؤں میں شرر دیکھے ہیں

میں نے جو دیکھا ہے اے کاش! وہ تو بھی دیکھے
دل کی دھڑکن بھی سنے، دل کا لہو بھی دیکھے

کہنے کو یہ چند اشعار ہیں، مگر دیکھیے، ان میں دیہات کی طبعی خوشگواریاں اور عملی پریشاں حالیاں کس طرح ایک پُرتاثیر انداز سے پیش کر دی گئی ہیں۔ ساتھ ہی ان پریشاں حالیوں کے ختم کرنے کی پرجوش دعوت بھی دے دی گئی ہے۔

یہ دیہاتی فضا ندیم کی متعدد نظموں کا موضوع ہے، مثلاً "میرا گاؤں"، "گاؤں کی صبح"

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

"گاؤں کی شام"، "چرواہے" وغیرہ دیکھیے۔ "چرواہے" ایک مختصر سی نظم ہے، لیکن اس کا رنگ سب سے نرالا اور اتنا دلکش ہے کہ حساس انسان اسے پڑھتے ہی چرواہوں پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے:

وہ بانکے ترچھے چرواہے　　یوں پھرتے ہیں میدانوں میں
جیسے رنگیلی تیتریاں　　منڈلاتی ہیں بستانوں میں
کہساروں میں لہراتے ہیں　　در آتے ہیں ویرانوں میں
موسم کے ارامرے لوٹتے ہیں　　پُروائی کی سیسرانوں میں
انگور کی لذت پاتے ہیں　　مٹی کے سوکھے دانوں میں

کتنا دلآویز نقشہ پیش کیا ہے۔ پھر ایک شعر حقیقت کا آئینہ دار ہے البتہ اس کا صحیح اندازہ وہی کر سکتے ہیں، جنھوں نے خود دیہاتی ماحول میں کچھ وقت گزارا ہو۔ پھر چرواہوں کی خوبیاں محض اس نقشے پر ختم نہیں ہو جاتیں فیشن کے غلام انسان انھیں اجڈ اور اکھڑ سمجھتے ہیں:

لیکن یہ ان سے بڑھ کر ہیں　　مضبوط اپنے ایمانوں میں
تاریخ مرتب کرتے ہیں　　کھیتوں میں اور کھلیانوں میں

جب تک یہ گڈریے جیتے ہیں
گیتی کے گریباں سیتے ہیں

میں وسعتِ مطالعہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا، مگر دیہات کے ایسے دلکش، حقیقت افروز ساتھ ہی اتنے دلگداز مناظر ندیمؔ کے سوا شاید ہی کہیں مل سکیں۔

ندیمؔ کی بعض نہایت نفیس نظمیں بھی دیہاتی ماحول ہی کے رنگ روغن سے مزین ہیں اگرچہ ان کا نفسِ مضمون عالمِ انسانیت کے سوا کچھ نہیں۔ ان میں سے ایک نظم کا عنوان بھی خالصتًہ دیہاتی ہے، یعنی "درانتی"۔ ممکن ہے کمیونزم کی اصطلاحات کے شیدائی اس کا رشتہ کہیں سے کہیں جا ملائیں مگر اصلاً ندیمؔ کی ہر چیز صرف انسانیت کی صدا لیے ہوئے ہے۔ اسے دورِ حاضر کے کسی "ازم" سے کوئی علاقہ نہیں۔

چمک رہے ہیں درانتی کے تیز دندانے　　خمیدہ ہل کی یہ الھڑ جوانِ نورِ نظر

سنہری فصل میں جس وقت غوطہ زن ہو گی　　تو ایک گیت چھڑے گا مسلسل اور دراز
ندیمؔ ازل سے ہے تخلیق کا یہی انداز　　ستارے بوئے گئے، آفتاب کاٹے گئے

درانتی کا عمل جس طرح ازل سے جاری چلا آتا ہے، اسی طرح رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔ ستارے بوئے جائیں گے، آفتاب کاٹے جائیں گے۔ ندیمؔ ایک ایسی فصل کی کاشت کا خواہاں ہے، جو روئے زمین کو بہشت بنا دے اور پوری کائناتِ انسانیت کے لیے راحت و اطمینانِ کامل کے سامان مہیا کر دے۔

ہم آفتاب ضمیرِ جہاں میں بوئیں گے　　تو ایک روز عظیم انقلاب کاٹیں گے
ہم انقلاب ضمیرِ جہاں میں بوئیں گے　　زمیں پہ خلدِ بریں کا جواب کاٹیں گے

دنیا کے اجارہ داروں نے زمین سنبھال لی اور انسانیت کی راحت و آسائش پس پشت ڈال دی۔ قدرت کی تیز درانتی کے دندانے چمکنے لگے تو یہ اجارہ دار تقاضائے احوال سے بے پروا ہو کر گزری ہوئی بہاروں کو دعوت دینے لگے، لیکن ظاہر ہے کہ درانتی کا عمل و ورود صرف سنہری فصل تک محدود نہیں۔ کیوں؟ اس لیے:

کہ اب نظامِ کہن بھی اسی کی زد میں ہے　　خمیدہ ہل کی یہ الھڑ جوان نورِ نظر
جب اس نظام میں لہرا کے غوطہ زن ہو گی　　تو ایک گیت چھڑے گا مسلسل اور دراز

ندیمؔ! ازل سے ہے تخلیق کا یہی انداز
ستارے بوئے گئے، آفتاب کاٹے گئے

یہاں تک ندیمؔ کے ماحول اور اس کے مخصوص ابتدائی تاثرات کا ذکر تھا۔ ابتدا ہی میں اسے پے در پے شکستوں اور مایوسیوں سے سابقہ پڑا۔ ان کی ایک تصویر ہمیں اس نظم میں ملتی ہے، جس کا عنوان ہے "قسیم کے نام":

میں نے راتوں کو اُجالوں کی دعائیں مانگیں　　اور مقدر سے گھٹا ٹوپ اندھیرے پائے
پھونکنے چاہے تو غضبناک بگولے اُٹھے　　پھول مانگے تو جہنم کے پھریرے پائے
گھیر رکھا تھا جنھیں سرد و دمن نے ہر سُو　　اُن گپھاؤں میں جنگلوں کے بسیرے پائے
جھٹپٹے ہی میں کٹیں زیست کی جتنی گھڑیاں　　نہ ستارے ہی ملے اور نہ سویرے پائے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اس سے بھی بڑھ کر مصائب کی دلدوز اور دل سوز تر تصویر ذیل کے شعروں میں پیش کی ہے:

کیا کہوں کتنی گھٹاؤں کے نچوڑے دامن — کشتِ احساس پہ اک بوند بھی ٹپکا نہ سکا
میں وہ تلوار ہوں جو رقص کی پیاسی ہی رہی — میں وہ پرچم ہوں جو طوفاں میں بھی لہرا نہ سکا

یہ آتشیں ترانے جن زخموں کی نشاندہی کر رہے ہیں وہ کسی تفصیل و تشریح کے محتاج نہیں، تاہم کوئی مصیبت، کوئی پریشانی، کوئی رکاوٹ ندیم کو اس راستے سے ہٹا نہ سکی جو قدرت نے اس کے لیے مقدر کر رکھا تھا اور یہی اس کے فطری شاعر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

میں جس حد تک اندازہ کر سکا ہوں ندیم کی شاعری کا بنیادی موضوع وہ انسانیت ہے جو رنگ، نسل، خون، جغرافیائی حدود، منصب، ثروت، غرض ہر مصنوعی امتیاز سے بالاتر ہے، وہ انسانیت جس کے لیے غالب نے کہا تھا:

ز آفرینشِ عالم غرض جز آدم نیست
بہ گردِ نقطۂ ما دورِ ہفت پرکار است

وہ آدم، وہ انسان جس کی برتری کے ترانے ہر سازِ وجود سے بلند ہوئے، جسے اقبال جیسے رازدانِ حکمت و دانش نے وظائف میں نوریوں سے بھی اشرف و اعلیٰ قرار دیا:

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر — ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا — شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی

"بیش ازاں" تو کہہ دیا، مگر اس کی حد و نہایت معین نہ کی، کیونکہ انسان میں فطرت نے جو امکانات رکھ دی ہیں، ان کی کوئی حد معین ہو ہی نہیں سکتی۔ وہی آدم جس کے لیے غالب نے کہا تھا:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

یہ تعلّی نہ تھی، حقیقت تھی۔ وہ آدمی جس کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کو فرشتے کی گستاخی پسند نہ تھی، اس کے لیے ہوا و ہوس کے بندوں نے ایسے عزت رُبا نظام تیار کر دیے کہ اس کی عظمت و برتری خاک میں مل گئی اور وہ بے دست و پا ہو کر ذلت کا پیکر رہ گیا۔

ندیم نے صرف انسان اور انسانیت سے محبت کا پیمان استوار کیا۔ وہ کسی خاص رنگ، خاص نسل اور خاص ملک کے انسان نہیں، بلکہ پورے عالمِ انسانیت کے تقاضوں کو زندگی کے اہم ترین فرض سمجھتا ہے اور دیکھیے یہ حقیقت کتنے سادہ مگر کس درجہ پُرتاثیر انداز میں پیش کرتا ہے:

تم نے افراد سے پیمانِ محبت باندھا
آدمیت کے تقاضوں کا وفادار ہوں میں

کوئی شخص انسانوں سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ بلند عہدوں پر فائز ہیں اور ان سے مادی فائدہ پہنچے گا۔ کوئی دولت کا پجاری ہے اور دولتمندوں سے رشتۂ الفت جوڑتا ہے۔ کسی نے ہم مشربوں کی حد بندی کر لی ہے اور اپنا پیار انھیں تک محدود رکھتا ہے۔ اس حد سے باہر ہر گروہ سے بیزار یا کم از کم بے تعلق رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی محبت روئے زمین پر امن و اطمینان کی وہ بہشت پیدا نہیں کر سکتی، جو انسانوں کے قلب و روح کے لیے قدسی آسودگی مہیا کر دے۔ صرف آدمیت کے تقاضوں کی پابندی ہی ایک مثالی نظام بروئے کار لا سکتی ہے، جس میں تمام انسان ایک جدِ امجد کی اولاد، ایک بزرگ کی نسل اور ایک بڑے گھرانے کی شکل میں زندگی بسر کریں۔ ندیم کا نصب العین یہی انسانیت اور یہی آدمیت ہے۔ اس نے شعر کی شکل میں جو کچھ کہا، مقصد و نصب العین اس کے سوا کچھ نہ تھا، البتہ کہیں وہ اس کے لیے براہِ راست دعوت دیتا ہے، کہیں انسانیت کے کسی صد درجہ مظلوم طبقے کے لیے درد بھرے نوحے لکھتا ہے، کہیں جوشِ عمل کی صدا لگاتا ہے، کہیں کہتا ہے کہ رات اندھیری ہے تو ہو، منزلِ مقصود دور ہے تو منزل تک نہیں، صبحِ امید ضرور طلوع ہو گی۔ اس طلوع کو کوئی بھی طاقت نہیں روک سکتی:

نجوم بجھتے رہیں، تیرگی امنڈتی رہے — مگر یقینِ سحر ہے جنھیں، اداس نہیں
افق دھڑک تو رہا ہے سجھائی دے کہ نہ دے — شفق ابل تو رہی ہے دکھائی دے کہ نہ دے
گلوں پہ اوس شعاعوں کے انتظار میں ہے — کہ اس کے حسن کی عظمت کرن کے پیار میں ہے

اسی طرح ستارے ایک ایک کر کے ٹوٹتے جائیں گے، ٹوٹتے جائیں گے اور صبح بہرحال طلوع ہو گی، اسے کوئی قوت روک نہیں سکتی۔ اس کا طلوع قانونِ قدرت کے تابع ہے، جس کا عمل اس وقت تک برابر ایک رفتار پر جاری رہے گا جب تک مشیتِ ایزدی اس نظامِ کائنات کو

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

برقرار رکھے گی۔ چلنے والوں کا کام صرف یہ ہے کہ پستے رہیں اور :

نجوم بجھتے رہیں تیرگی اُمنڈتی رہے
سحر کا نور کسی ذی نفس کے پاس نہیں

یہ پیامِ اُمید بھی انسانیت کے اسی دور اور عہد سے تعلق رکھتا ہے، جو بہر حال آئے گا اور انسانوں سے کالے گورے، شرقی غربی، عربی، عجمی کی حیثیت میں نہیں، بلکہ صرف انسانوں کی حیثیت میں پیار کیا جائے گا، گویا افراد سے پیانِ محبت نہیں بندھے گا۔ آدمیت کے تقاضوں سے حقِ وفا ادا کیا جائے گا۔ اقبال نے ۱۹۰۸ء میں یہی پیغام دیا تھا۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

"جلال وجمال" میں "کھیل" کے عنوان سے ایک نظم شامل ہے۔ اس میں پورا ماحول دیہاتی ہے، لیکن اصل میں وہ بھی انسانیت ہی کی پکار ہے اور دیکھیے کتنی پُر تاثیر ہے :

دھرتی کا جو سینہ چیرے، آخر منہ کی کھائے   زر کی خاطر خون بہائے، لیکن خاک نہ پائے
جگ کی جھولی بھرنے والا اور دامن پھیلائے   ہرے بھرے کھیتوں کا آقا اور فاقوں مر جائے
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ دیکھا جائے

گاؤں کے البیلے، بانکے، مستانے، متوالے   بھولی بھالی دہقانی ماؤں کی گود کے پالے
جن کے ساتھی چیت کے جھونکے اور ساون کے جھالے   اُن کو ایک غلیظ مہاجن ہتھکڑیاں پہنائے
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ دیکھا جائے

زرّیں ٹیلے، مست کھجوریں، خاموشی، رعنائی   پھٹے پرانے خیمے یعنی یہ قریۂ صحرائی
جب ان پر چھا جاتے ہیں تہذیبوں کے سودائی   دھرتی ماتا چلاتی ہے، "میں لُٹتی ہوں ہائے"
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ دیکھا جائے

یہ انسانیت کے ایک بہت بڑے طبقے کی دردناک اور دل کو چیر ڈالنے والی تصویر تھی۔ ندیم آخر میں رفیقوں کو پیغام دیتا ہے کہ آزادی پر مرنے کے دعوے کرتے ہو اور قید و بند سے ڈرتے ہو؟ ساتھ ہی مختلف طبقوں کا نقشہ کھینچتا ہے جو بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں، یعنی عوام کے

تنخواہ دار خدمتگار ہیں، مگر من مانی کرتے ہیں۔ خود ہی ناحق کوششوں اور بے انصافیوں سے عوام میں جوش و اضطراب کی آگ لگاتے ہیں، پھر اس کے لیے دوسروں کو ملزم ٹھہراتے ہیں، شاعر ہو کر بھانڈوں کی طرح اربابِ ثروت و اقتدار کے گُن گاتے ہیں۔

آزادی پر مرنا، لیکن زنجیروں سے ڈرنا   بڑی بڑی تنخواہیں پانا اور من مانی کرنا؟
خود ہی آگ لگانا اور الزام کسی پر دھرنا؟   شاعر اور بھانڈوں کی طرح تو ابروں کے گُن گائے
مجھ سے تو یہ آڑا سیدھا کھیل نہ دیکھا جائے

غرض انسانیت اس کی شاعری کا مرکزی موضوع ہے، بلکہ ایک ہی موضوع ہے، باقی اس کے حوالی و ظروف ہیں۔ وہ ہمدموں کی برق رفتاری دیکھتا ہے تو درد و سوز سے کہتا ہے کہ میں انسانیت کے قافلے کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میرے دُکھ سُکھ کی ہر شے ان سے وابستہ ہے اور ان سے بے تعلق ہو کر آگے نکل جانے سے دل کے زخموں کا علاج نہیں ہو سکتا۔ دُکھ دور نہیں کیے جا سکتے۔ مجھے بھی محبت کے کئی افسانے یاد ہیں، لیکن احساس کے زخم تازہ ہوں تو وہ افسانے کیونکر سناؤں جو راحت و دلجمعی کی ایک تفریح ہیں :

وہ حکایت جو سناؤں سنے سنانی مجھ کو   اپنی محفل کے چراغوں کو جلاؤں تو کہوں
دل کا ذہن میں محفوظ کیے بیٹھا ہوں   سننے والوں کو خاروں سے جگاؤں تو کہوں

ذوقِ پرواز بھی ہے حسرتِ پرواز بھی ہے   ساتھ دینا ہے مگر مجھ کو تھکے ہاروں کا
کیسے پلکوں کو چلا آتا ہے دامن تھامے   ایک انبوہ سسکتے ہوئے بیماروں کا
برق گامی کے میں قربان ذرا تھم کے چلو   قافلہ رینگتا آتا ہے دل افگاروں کا

ہم سفر چور ہیں تم دور اُڑے جاتے ہو
یہ رویّہ تو مداوا نہیں آزاروں کا

یعنی انسانیت کا تقاضا یہ نہیں کہ عوام کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ، انھیں ساتھ لے کر چلنا چاہیے اور بہرحال ان کی رفاقت کا حق ادا کرنا چاہیے۔

یہ بھی دیکھیے کہ ندیم کے ذہن میں انسان کا تصور کتنا بلند اور کس قدر رفیع ہے! پھر اس

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

تصور کو کس درجہ سادہ اور دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے:

آدمی شش جہات کا دولھا
وقت کی گردشیں براتی ہیں

اس ایک شعر میں انسان کے شرف و عظمت کی جو تصویر کھینچی ہے اس کی مثالیں بہ آسانی نہیں مل سکیں گی۔

وہ ایک نظم میں انسان کے کارنامے بیان کرتا ہوا کہتا ہے کہ وہی انسان جو بہشتوں کا لاڈلا اور فرشتوں کا مسجود تھا، جسے جرمِ محبت کی سزا ملی تو کائنات کے بے آب و گیاہ صحراؤں میں بہار کا منظر پیدا ہو گیا، کیونکہ یہ کائنات صرف انسان کی محنت سے آراستہ ہوئی۔ وہی انسان جس نے فرش پر عرش کا سا جمال پیدا کر دیا۔ جس نے آتش و آب و خاک و باد کے خوفناک طوفانوں کو خس کر ٹال دیا:

بڑھا تو راہیں تراشیں، رُکا تو قصر بنائے
اُڑا تو گیت بکھیرے، جھکا تو پھول کھلائے

آج اسی انسان کی ہنسی اُڑائی جا رہی ہے:

نہیں، کسی سے بگڑنا مرا سبھاؤ نہیں — مری سرشت میں گلزار ہیں، الاؤ نہیں
ہزار بار شکستوں پہ مسکرایا ہوں — مصیبتوں کی گرج میں بھی گنگنایا ہوں
خدا شناس بھی ہوں اور خود شناس بھی ہوں — خدا سے دور بھی ہوں اور خدا کے پاس بھی ہوں
یہاں زمیں پہ بھی تخلیق کام ہے میرا — کہ کبریائی سے منسوب نام ہے میرا

خدا کے ذہن کا فن پارۂ عظیم ہوں میں
تمام دہر کا دولھا ہوں میں، ندیمؔ ہوں میں

دیکھیے، انسان کی یہ کتنی پاکیزہ تصویر ہے! یہ تصویر بھی ہے اور انسان کے لیے صحیح راستے کی دعوت بھی ہے۔

غرض ندیمؔ کی اکثر نظموں میں انسانیت کے کسی نہ کسی دُکھ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور انسان کو اشرفیت کے مقامِ بلند پر پہنچانے کی تڑپ سے اس کے قلب و رُوح معمور ہیں۔ اس نے

مختلف صورتوں میں اپنے یہ پُرسوز جذبات نہایت مؤثر انداز میں پیش کیے ہیں۔ مثلاً:

میرا غم صرف مرا غم تو نہیں، کم کیوں ہو — آدم اس دور میں بھی کشتۂ آدم کیوں ہو
آدمیت ہی جب اس دور میں پامال ہوئی — اپنی اک ذات کے نقصان کا مجھے غم کیوں ہو

یعنی وہ غم کو کسی ذاتی ضرر یا تکلیف کا نتیجہ نہیں سمجھتا کہ اس میں موجباتِ تکلیف کے دور ہو جانے یا گھٹ جانے سے کمی آ جائے۔ وہ تو انسانیت کا غم لیے بیٹھا ہے اور جب تک انسان انسان کے ہاتھوں ستم رسیدہ ہے، ندیمؔ کے غم میں کوئی کمی نہیں آ سکتی۔

پھر وہ محض اظہارِ غم پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ ہمسروں اور رفیقوں کی حوصلہ افزائی کے لیے امید کا یقین افروز پیغام دیتا ہے:

سینۂ شب میں دھڑکتا ہے دلِ صبحِ جمال — لب ترے خشک ہوئی کیوں، آنکھ تری نم کیوں ہے
چیخ کا زخم نہیں ہے کہ ندامت ہو تجھے — زخم سینے کا ہے شرمندۂ مرہم کیوں ہو

جب وہ دیکھتا ہے کہ ہر طرف سے نئے دَور کے درود کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں تو وہ اس کے آثار و علائم تلاش کرتا ہے، تاکہ یقین ہو جائے نیا دور واقعی آ گیا، کیونکہ دن نکل آنے کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ سورج کی روشنی سے ہر طرف اُجالا ہو جائے۔ افسوس کہ ہر طرف اس کی آنکھیں قدیم مناظر سے دوچار ہوتی ہیں۔ چند خود غرض اور عوامی حقوق کے غاصب انسانوں نے عالی شان قصر بنا رکھے ہیں اور ان کے سائے میں لاکھوں عوام مختلف امیدیں لیے ہوئے جمع ہیں۔ یہ منظر دیکھتے ہی وہ پکار اُٹھتا ہے کہ نیا دور کہاں آیا؟ یہاں تو پرانے ہی مناظر پھیلے ہوئے ہیں:

اب بھی انسان ہے اسباب و نتائج کا اسیر — قصر کے سائے میں اب تک ہے وہی جمِ غفیر
وہی جینا ہے مصیبت، وہی مرنا ہے حرام

وہ ہر انسانی صلاحیت کو صرف انسانوں کی بہبود اور زندگی کی آرائش و زیبائش کے لیے وقف رکھنے کا معتقد ہے اور کہتا ہے:

یہ رقص و نغمہ، یہ شعر و ادب، یہ حکمت و فن
حیات کش ہیں، نہیں ہیں اگر حیات افروز

فن کے دو ہی پہلو ہیں۔ یا تو وہ زندگی کے بہتر سے بہتر طور طریقے انسانوں کے رُوبرو

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

واضح کرتا ہے یا وہ زندگی کے لیے سم قاتل ہے۔ اگر وہ دونوں میں سے کچھ بھی نہیں تو بیکار محض ہے۔ فرض کر لیجیے کہ کسی نے فن کو کمال پر پہنچا دیا، لیکن اگر اسے زندگی سے گہرا ربط و تعلق نہیں تو وہ صرف تصور کا ایک افسوں ہے، محض خیالات کا ایک طلسم ہے۔ مان لیجیے کہ یہ فن رفعت میں آسمان کے ستاروں کا درجہ حاصل کر گیا، لیکن اگر اُن ستاروں کی جلوہ گری زمین کو منور نہیں کر سکتی اور یہاں کی تیرگی کو دھو نہیں سکتی تو اُن سے کیا حاصل :

نکل کے ابر سے جو کُہر میں اُتر جائے
اُس آفتاب کے طالب نہیں ہے شب و روز

پھر کہتا ہے :

وہی کرن ہے کرانِ ارتقا کی نظروں میں　　جو گُل کے ریشۂ گُل میں نفوذ کر جائے
جو رنگ بن کے سما جائے بند کلیوں میں　　جو آگ بن کے رگِ سنگ میں اُتر جائے
جو آبجو پہ گرے عکس بن کے تاروں کا
جو اوس بن کے لبِ آبجو بکھر جائے

یعنی اسے صرف وہی حُسن، وہی آب و تاب، وہی درخشانی مطلوب ہے جس کی جلوہ کاریاں اور ضیا باریاں صرف بلندیوں تک محدود نہ رہیں، بلکہ ذرّے ذرّے زمین پر روشنی کا سر و سامان مہیا کر دیں۔ وہ تمام ہم فنوں کو مختلف طریقوں پر یہی دعوت دیتا ہے :

کھیت آباد ہیں، دیہات میں اُجڑے اُجڑے
اس تفاوت کا مٹانا بھی تو فن کاری ہے

سوئی ہُوئی کس دُھن میں تری غیرتِ فن ہے
جاگا ہوا انساں بھی تو موضوعِ سخن ہے

وہ نسل و رنگ کے تفرقوں سے بیزار ہے۔ یہ چیزیں اسے انتہائی دکھ پہنچاتی ہیں۔ کس دلی تڑپ سے کہتا ہے :

ابھی نسلوں کے اک انبوہ میں محبوس ہیں ہم　　آدمیت کے تقاضے نہیں بیدار ابھی

سر بزدۂ حریتِ فکر سنانے والو　　کتنے منصور ہیں موجود سرِ دار ابھی

قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو دکھائی، مگر کسی نے اسے نہ اٹھایا اور ڈر گئے۔ انسان نے یہ امانت اُٹھالی۔ خواجہ حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہے :

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

ندیم نے اس سے ایک عجیب مضمون پیدا کر لیا۔ وہ کہتا ہے :

یہ کائنات ازل سے سپردِ انساں ہے
مگر ندیم! تم اس بوجھ کو سہار و بھی

مطلب یہ کہ انسان نے کائنات کا بوجھ تو بے تکلفی سے اُٹھایا، مگر اسے سہار نہ سکا۔ اس کے اٹھانے کا حق ادا نہ کر سکا اور قانونِ فطرت کی پے در پے خلاف ورزیوں سے دنیا کو جہنم زار بنا دیا۔ بوجھ کے سہارنے کا مطلب یہی تھا کہ جو ذمّہ داری سنبھالی تھی، اسے بوجہِ احسن پورا کیا جاتا۔ یہ نہ ہُوا تو سمجھ لینا چاہیے کہ بوجھ سہارا نہ گیا۔

انسانیت ہی کی تڑپ نے ندیم سے بعض نہایت ملاویز اور صد درجہ پُرمعانی اشعار کہلوائے، جن کی تشریح کے لیے دفتر درکار ہیں، مثلاً :

ندیم! فلسفۂ صبر کو دعائیں دیں
برایں غریب کُشی جو رہے غریب نواز

یعنی جن لوگوں نے غریب کُشی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، انھیں نام مساکین بیچارگی کے باعث "غریب نواز" کہتے رہے۔ یہ صورتِ حال کیوں رونما ہُوئی؟ صرف اس لیے کہ مسکینوں اور غریبوں کو صبر کی تلقین کی گئی۔ انھیں فلسفۂ صبر سمجھا دیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد پر آمادہ نہ ہُوئے۔ جنھیں غریب کُشی کے باوجود غریب نواز کہا گیا، انھیں چاہیے کہ فلسفۂ صبر کو دعائیں دیں۔

اب میں اس موضوع کے متعلق زیادہ شواہد پیش نہیں کروں گا، البتہ چند اشعار شاذ و نادر

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ضروری ہے جن سے ندیم کی انسانیت دوستی پر زیادہ سے زیادہ روشنی پڑتی ہے :

وہ اعتماد ہے مجھ کو سرشتِ انساں پر
کسی بھی شہر میں جاؤں، غریبِ شہر نہیں

انسانی سرشت کے اصلح اور پاک ہونے کی تلقین خود اسلام نے کی ہے۔ رسول اللہ صلعم، کا ارشاد ہے کہ بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، مگر والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔ ندیم بھی انسانی سرشت کی پاکیزگی کے سلسلے میں اسی اسلامی عقیدے کا داعی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی سرشت کے متعلق یہی یقین نسل اور نسب کے بکھرے ہوئے اوراق کی شیرازہ بندی کر سکتا ہے یعنی مختلف نسلوں میں بٹے ہوئے لوگ ایک نسل کے معتقد بن سکتے ہیں، کیونکہ سب کے جدِ امجد آدمؑ ہیں۔ یہی یقین ندیم کے خلوص اور وقار کی بنیاد و اساس ہے۔ یہی اس کا ادب اور یہی اس کا مذہب ہے۔ اسی کو وہ عقل و شعور کا اوجِ کمال سمجھتا ہے :

یہی ہے یقین کہ انساں کی جبلت میں   بہ ایں شکستہ دلی آشتی ہے، قہر نہیں
وہ اعتماد ہے مجھ کو سرشتِ انساں پر   کسی بھی شہر میں جاؤں غریبِ شہر نہیں

اس سلسلے کی ایک نہایت پُر تاثیر اور لبریز حقائق نظم وہ ہے جسے "شعلۂ گل" میں "نغمۂ انسان" قرار دیا گیا ہے :

اس خراب آباد میں مثلِ بہار آئیں گے ہم   بادۂ پُر زور رنگ بیز و نغمہ بار آئیں گے ہم
کوہساروں سے برنگِ آبشار آئیں گے ہم   اور میدانوں میں بن کر برگ و بار آئیں گے ہم

وہ کہتا ہے کہ زندگی کی عروس میں دلربائی ہمارے دم سے ہے۔ کارگاہِ زیست میں ہنگامے ہماری ہی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہمیں ہیں جنھوں نے جذبۂ تخلیق سے ستاروں تک رسائی حاصل کر لی :

ہم نہ ہوں تو اس طرح اُجڑے خدائی کا سہاگ
جس طرح خرمن میں بجلی، جس طرح جنگل میں آگ

ہم نے دھرتی کے کلیجے میں نمو پیدا کیا   ہم نے مٹی کے مرکب سے سبو پیدا کیا
خوشۂ انگور سے ہم نے لہو پیدا کیا   ہم نے یہ ہنگامۂ رنگ و بو پیدا کیا

گو عناصر چیختے، چلاتے، غراتے رہے
ہم ضمیرِ زندگی میں جذب ہو جاتے رہے

ہم نے دھو ڈالی چہرۂ آفاق سے گردِ ملال   پربتوں پر ہم نے ڈالے گھومتی راہوں کے جال
ہم نے صحراؤں کو بخشا سبزہ زاروں کا جمال   ہم نہ ہوتے تو کسے تھی بحر گردی کی مجال

ہم نے ناپیدا کرانی کے کنارے پا لیے
خاک کے ذروں کو یوں چھانا ستارے پا لیے

جب اللہ کا کوئی بندہ نیا پیغام لے کر اٹھتا ہے تاکہ عالمِ انسانیت کو اندوہ و غم سے نجات ملے، اس کی مصیبتیں ختم ہو جائیں اور وہ راست کی زندگی بسر کرنے لگے تو داعی کو شدید کشمکشوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ندیم کو بھی یہ منزل پیش آئی، چنانچہ وہ کہتا ہے :

جذبۂ دل نے کہا، جرأتِ اظہار نہ کر   میرا ماحول پکارا کہ گنہگار نہ بن
میں نے جب عشق کے فانوس جلانے چاہے   تو عزیزوں نے صدا دی کہ شب تار نہ بن
تنگ گلیوں سے اُٹھائے تو یہ آواز آئی   چشمِ احباب میں اس درجہ سبکسار نہ بن
آتشیں گیت مرے سُن کے بزرگوں نے کہا   بزمِ امروز میں فردا کا خریدار نہ بن

میرے افکار مگر مجھ سے یہی کہتے ہیں
روحِ اسلاف کی لعنت کا سزاوار نہ بن

یعنی اسلاف نے جو مسلک و مشرب پیش کیا، جس کے لیے انھوں نے دکھ اُٹھائے، تکلیفیں سہیں، قربانیاں کیں، اس کی دعوت نہ دوں گا تو یقیناً اسلاف کی روح مجھ پر لعنت بھیجے گی۔ مزید برآں :

ہم کو جو کہنا ہے، وہ کیوں نہ کہیں، کیوں نہ کہیں؟
عشق شوریدہ تو ہے، پھر غمِ رسوائی کیا

پھر اپنے عزم کے چہرے سے پردہ اُٹھاتا ہے :

ہم جوانی کو تہذیب میں نہ گھلنے دیں گے   ہم نہ رکھیں گے غریبوں کو غنی کا محتاج
ہم چٹانوں کے کلیجے میں علم گاڑیں گے   چشمِ اسرار میں بچتے نہیں خوش رنگ زجاج
روحِ انساں کے تقدس کو نہ ہم بھولیں گے   ہم نہ مانگیں گے غریبوں سے غنی کا خراج
ہم نہ ڈالیں گے حکومت پہ پُراسرار پردے   نہ کوئی قصر، نہ دربان، نہ کوئی تخت، نہ تاج

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ظاہر ہے کہ حکومت کا مقصد مخلوق کی مشترکہ اور متحدہ بہتری کے سوا کچھ نہ تھا، لیکن غرض پرستوں نے حکومت کو ہیبت ناک بنانے کی غرض سے قصر بنائے، تخت و تاج آراستہ کیے، دربان رکھے، تاکہ دیکھنے والوں پر ہیبت و دبدبہ طاری رہے اور وہ دل کی بات زبان پر نہ لا سکیں۔ حقیقتاً یہ سب ریا کے پردے تھے اور کوئی بھی حکومت، جو مخلوق کی بہتری کے لیے وجود میں آئے گی، وہ ریا کے اس سروسامانِ جاہلیت کی روادار نہ ہوگی۔

ندیم کو اپنی منزل کے کٹھن اور جاں گداز ہونے کا پورا احساس ہے، لیکن وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہے کہ محض فکر و خیال سے کوئی منزل نہ کبھی طے ہوئی ہے اور نہ آئندہ طے ہوگی۔

یہ کڑے کوس، جو تا حدِ نظر پھیلے ہیں — اک تصور سے فقط طے نہیں ہونے پاتے
شاخِ انگور پہ لٹکے ہوئے لرزاں خوشے — آپ ہی آپ کبھی مے نہیں بننے پاتے

اس کا عزم بڑا ہی پختہ اور استوار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب روح کے آئینے پر گردِ تقلید باقی نہیں رہتی تو انسان اپنے سفینے کا ناخدا خود بن جاتا ہے:

رخشِ احساس کی ہے باگ مرے ہاتھوں میں — اب کوئی میرے خیالوں کو نہیں بھٹکاتا
نام دیتی ہے غلامی کا جسے یہ دنیا — میرے جذبات پہ وہ بھوت نہیں منڈلاتا

میں کائنات کو ایک کھلونا سمجھتا ہوں۔ اسے جس طرح چاہوں گا، گھماؤں گا۔ اس میں جو جوڑ گندھے ہوئے ہیں، انھیں پرکھنے کے لیے کبھی اسے توڑوں گا، کبھی بناؤں گا۔ مطلب یہ کہ میں جو نظام جاری کرنا چاہتا ہوں، وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو لچک اور لوچ سے عاری ہو، جس میں ردّ و بدل نہ ہو سکے۔ انسانیت کے لیے جو جو چیزیں مناسب نظر آئیں گی، وہ اختیار کی جائیں گی۔

میری قسمت کو نچائے گا ارادہ میرا — میرے پنجے میں سمٹ آئیں گی سب تقدیریں
گل کے بن جائیں گی حریتِ عالم کا حصار — بازوئے دہر سے لپٹی ہوئی یہ زنجیریں

جو قلوب آج منجمد نظر آ رہے ہیں، ان سے بھڑکتے ہوئے شعلے اٹھیں گے جو فرسودہ نظام کو خاکستر بنا دیں گے۔

خاکبوسوں کو اچھالوں گا فلک کی جانب
محو کر دے گا ستاروں کو بھی انساں کا مقام

وہ سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل کو کامیابی کی کلید سمجھتا ہے اور رفیقوں کو بھی یہی پیغام دیتا ہے:

سفینہ محوِ سفر ہو تو نارسیدہ نہیں
قدم قدم پہ کنارے ہیں، تم سدھار دیکھی

پھر دیکھیے، اس کا عزم کس درجہ اٹل اور اس کی ہمت کتنی بلند ہے۔ کہتا ہے:

اگر نشانِ سفر تک کہیں نہیں، نہ سہی — میں رینگ رینگ کے یہ شب نہیں گزاروں گا
شکست سے میرا اخلاق اجنبی ہے ندیم — سحر ملے نہ ملے، رات سے نہ ہاروں گا

یعنی صبحِ امید کا ناصیۂ جمال کتنی ہی دور ہو، میری زندگی میں اس کے ظہور کی نوبت آئے یا نہ آئے لیکن اس نظامِ باطل کو میں قبول نہیں کر سکتا، جو انسانیت کے لیے ہزاروں مصیبتوں کا سرچشمہ بنا اور جس نے انسان کے شرف و وقار کو پامال کر ڈالا۔ اسے اپنی دعوت کی تاثیر کا بھی احساس ہے۔ کہتا ہے:

غریبوں کے گریباں کو قباؤں میں بدل ڈالا — امیروں کی قباؤں کو گریباں کر دیا میں نے
جلا کر شمعِ احساسِ تفکر خانۂ دل میں — اندھیرے رہگزاروں کو چراغاں کر دیا میں نے
غرض احساس کی قندیل کو سینے میں بھڑکا کر — پھر اس بھٹکے ہوئے انساں کو انساں کر دیا میں نے

جس فرد کے احساس کا آئینہ اتنا روشن ہوتا ہے کہ اس میں ہر چیز زیادہ سے زیادہ واضح طریق پر منعکس ہو جاتی ہے، نیز قدرت اسے اپنے تاثرات انتہائی دلآویز انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت عطا کر دیتی ہے، وہ ہر حقیقت جلد سے جلد بھانپ لیتا ہے اور اسے اچھوتے اسلوب میں ڈھال کر پیش کر دیتا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل اشعار جن حقائق کے ترجمان ہیں، وہ کسی تشریح کے محتاج نہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انھیں پیش کرنے کا انداز حد درجہ سحر انگیز نہیں:

کس بھیانک تیرگی میں آ گئے — ہم گجر بجنے سے دھوکا کھا گئے

سحر کا ایک ہی مفہوم ہے — طلوعِ سحر — مجھے فریب نہ دیں روشنی کی تفسیریں
شگفتِ گل کو تو ہے انتظارِ موسمِ گل — وہ لاکھ نوکِ سناں سے کلی کا دل چیریں
کچھ اور نام ہے اس کا، یہ فصلِ گل تو نہیں
کہ بوئے گل کے لیے ڈھل رہی ہیں زنجیریں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

پھر ندیم اپنا مقصد بڑی صفائی سے بیان کر رہا ہے:

کچھ نہیں مانگتے ہم لوگ بجز اذنِ کلام　　ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں
ایسے غنچے بھی تو گلچیں کی قبا میں ہیں اسیر　　بات کرنے کو جو اپنا ہی دہن مانگتے ہیں

فقط اس جرم میں کہلائے گنہگار کہ ہم
بہرِ ناموسِ وطن جامۂ تن مانگتے ہیں

میں نے ندیم کے کلام کی بنیادی خصوصیت تفصیل سے بیان کر دی۔ اس کے مختلف اطراف و جوانب ہیں جن کی تشریح کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہو مگر وہ سب کچھ مقدمے کی تنگنائے میں نہیں سما سکتا۔ ندیم کے کلام میں بیان کی دلنشینی، اسلوب کی دلآویزی اور استعارہ کے حسن و ندرت کی مثالیں بھی بے شمار ہیں۔ عموماً سمجھا جاتا ہے کہ شعر خاص وضع کے الفاظ و تراکیب کا متحمل ہو سکتا ہے۔ ندیم کا کمال یہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ بھی بلا تکلف استعمال کرتا ہے جنھیں الگ کر کے دیکھا جائے تو غالباً خوش ذوق شعرا کو گوارا معلوم نہ ہوں لیکن ندیم کے طریق استعمال میں وہ گوارا ہی نہیں بلکہ پُر لطف بن جاتے ہیں۔ ایک اور حقیقت بھی واضح کر دینی چاہیے، یعنی ندیم کے اشعار میں بے شمار ایسے الفاظ آئے ہیں جن کی مثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں شاید ہی مل سکے۔ تاہم کبھی محسوس نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی لفظ ضرورت سے زیادہ استعمال کیا یا وزن پورا کرنے کے لیے زیادہ الفاظ سے کام لیا یا کسی لفظ و ترکیب سے شعر کی خوبی پر زد پڑی ہو، بلکہ بعض خاصے کرخت الفاظ سے اس نے دقائقِ فکر و نظر جس کمالِ فصاحت سے پیش کر دیے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے بغیر وہ باریکیاں ٹھیک ٹھیک دلوں میں اُتر نہیں سکتی تھیں۔ نظم کے الفاظ و تراکیب عموماً نثر کے مقابلے میں محدود سمجھے جاتے ہیں مگر ندیم اس حد بندی کا قائل نہیں۔ اس نے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ اگر الفاظ صحیح محل پر خوبی سے استعمال کیے جائیں تو ان کی ظاہری کرختگی بھی حسنِ ادا بن جاتی ہے۔

اب میں ایک ایک مثال کی توضیح نہیں کروں گا، بلکہ یکے بعد دیگرے مختلف مثالیں پیش کرتا جاؤں گا۔ اربابِ ذوق کو ان سے میری مذکورہ بالا گزارشات کی حقیقی حیثیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

زندگی غیر مسلسل مستی　　موت کا خوف مسلسل آزار
نوجوانوں کے لاشے بے رنگ　　جیسے صحراؤں میں شہیدوں کے مزار

کسمسی بانہوں میں لپٹنے کی امنگ　　جیسے کلیوں میں چٹکنے کا شعور
مسکراہٹ میں محبت کی کسک　　تلملاہٹ میں جوانی کا غرور

مضمحل سوچ میں لپٹی ہوئی صبح　　دلربا فکر میں ڈوبی ہوئی شام

وادی کی لہروں پہ رواں ہیں قاشیں چاند ستاروں کی　　کس منزل کو لپکی یہ نورانی فوج سواروں کی
چپ شب، جھکتے تنتے ناگن! تجھ کو بکٹ ڈانڈوں کی قسم　　دھیرے دھیرے ہولے ہولے کاٹ یہ ابرو کا سا خم
یوں مر جیسے پھول کی پتی، یوں چل جیسے سرگوشی　　وقت کے اس لمحے کا تقاضا خاموشی ہے، مدہوشی
کھیتوں کی ہریاول پر یہ دھبے ہیں دہقانوں کے　　یا گیتی نے اُگلے بوسیدہ تابوت انسانوں کے
ہاریں استبدادی قومیں، لیکن کس کی جیت ہوئی؟　　یورپ کی بے رحم سیاست کب یورپ کی میت ہوئی؟
نومیدی کی گرہیں غلطاں جگنو احساسات کے ہیں　　اوس کے پرّاں قطرے ہیں یا آنسو پچھلی رات کے ہیں

زردیوں پر رہی تھی شمع کی لو　　حسن پر جیسے موت کا پرتو
رات جس دم جماہی لیتی ہے　　دن کی آہٹ سنائی دیتی ہے
ٹوٹتا ہے جونہی کوئی ڈنٹھل　　پھوٹ پڑتی ہے اک نئی کونپل
چشمِ سرشار میں حیا چمکی　　ساغرے میں چاندنی کی ڈلی

سست انگڑائیوں کا ایک ہجوم　　بانہوں کے لوچ میں کنول کا بل

پیٹ بھرنے کے لیے حسن سے رشتہ توڑا
بیچ کر پھول خریدے کانٹے
جوئے زریں میں محبت کا سفینہ چھوڑا
سیپیاں پائیں ستارے بانٹے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کنارِ آبِ رواں شبنمی شگوفوں میں — جہانِ رنگ شعاعوں کے انتظار میں ہے
ندی کی نرم روی میں نجوم اونگھتے ہیں — اداس چاند نہاں نور کے غبار میں ہے
سحر کا یہ تقاضا کہ آفتاب ابھرے — یہ جگنوؤں کا اک انبوہ کس شمار میں ہے

منظر اور حسنِ تشبیہ کی دلآویز مثالیں مندرجہ ذیل شعروں میں بھی نمایاں ہیں:

برق گرتی ہے جوانی کے خیالوں کی طرح — دودھیا روئی کے دھنکے ہوئے گالوں کی طرح

یہ طلوعِ صبح کے آثار آتے ہیں نظر — یا دعاؤں کے لیے وا ہیں فلک کے بام و در

تاریکیوں میں دب کے لرزتا ہے بار بار — پچھم کے پربتوں پہ شفق کا مہین تار

اک ٹیس فضا کے دل میں اٹھی — یا تیر نکل گیا کماں سے

نطق کی بغاوت پر ہونٹ پھڑپھڑاتے ہیں — جیسے نرم جھونکوں سے پھول کانپ جاتے ہیں
ڈھیر سا ہے شانوں پر بکھرے بکھرے بالوں کا — اک غبار سا جیسے ذہن میں خیالوں کا

خامشی اک طویل سوچ میں ہے — اترے آتے ہیں برف کے گالے
چار سُو ٹوٹتے ہوئے تارے — ہر طرف عنکبوت کے جالے
ناگہاں خامشی میں لہر اٹھی — نیند میں جیسے کوئی کچھ گا لے
جیسی اُمڈی ہوئی گھٹا میں ہلال — جیسے صحرا کی گود میں لالے

ساحلِ زیست پہ بکھری ہوئی امید کی ریت — اور دمکتی ہوئی یہ سیپیاں، ارمانوں کی

قصرِ شاہی سے گرائے گئے نیلم پکھراج — سنگریزوں کو نگلتے رہے مجبور عوام

خشک کانٹوں میں چلتے رہے خیرات کے پھول — سوکھے جبڑوں کو جکڑتی رہی زرتار لگام
ہر نیا دور صد امید بداماں آیا — زندگی خستہ و درماندہ و مجبور رہی
اک شہنشاہ اٹھا، ایک شہنشاہ بڑھا — اسی چکر میں ازل سے یہ زمیں چور رہی
اک نئے دور کا پرتو ہے افق کی لالی — اک نئے حسن کی خاطر یہ حنابندی ہے
ایک ہی سطح پہ اترے ہیں نشیب اور فراز — اب کس انسان کو دعوائے خداوندی ہے

خشک ڈھانچوں میں زمانے کے دیے جلتے تھے
جس طرح رات کو مرگھٹ میں چتا
کیڑے گلتے ہوئے اجسام میں یوں چلتے تھے
جیسے کھپریل کے چھپر میں ہوا
کتنے محبوب تھے افلاس کے نخچیروں میں
دل میں ناسور، لبوں پر آہیں
کتنے بلبل تھے جکڑے ہوئے زنجیروں میں
ہاتھ ردّ نہ ہوئے کھلی بانہیں

آپ نے آتش کا یہ مشہور شعر بارہا سنا ہوگا:

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف — قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

اسی بنیادی فکر نے ندیم کے ہاں یہ دلآویز صورت اختیار کی:

یہ ریت کے ذرّے ہیں کہ الماس کے ٹکڑے — گیتی نے اگل ڈالے ہیں قاروں کے دفینے

جزا و سزا کے معاملے میں میرزا غالب نے اتنے عجیب و غریب نکتے پیدا کیے ہیں، جن کی مثال شاید ہی کسی شاعر کے ہاں مل سکے، مثلاً یہ خیال کہ گناہ کا محاسبہ شروع ہوا تو میرزا کو یاد آ گیا کہ کون کون سے گناہ نہیں کیے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

نیز:

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد　　مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

پھر یہی خیال فارسی میں بھی ایک خاص انداز سے پیش کیا ہے:

اندر آں روز کہ پرسشِ رود از ہر چہ گزشت

کاشکے با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند

اور مثنوی "ابرِ گہر بار" کی مناجات میں تو یہ مضمون اتنا پھیلا کر لکھا ہے کہ ہر حساس آدمی پڑھ کر تڑپ اٹھتا ہے، مثلاً:

بہ بخشائے بر نا کسیہائے من　　تہی دستی و درماندگیہائے من
بہ دوشِ تر از دوشِ سر بارِ من　　نہ سنجیدہ بگذار کردارِ من
بہ کردار سنجی میا فزائے رنج　　گرانباریِ دردِ عمرم بسنج

. . . .　　. . . . .

اگر دیگراں را بود گفت و کرد　　مرا مایۂ عمر رنج است و درد

. . . .　　. . . . .

مبادا بہ گیتی چو من ہیچ کس　　یمی دل و زمہریری نفس
بہ پرسش مرا در ہم افشردہ گیر　　پرِ کاہ را صرصرے بردہ گیر
پس آنگہ بہ دوزخ فرستادہ داں　　در آتش خس از باد افتادہ داں
ز دودے کہ برخیزد از سوزِ من　　شود بیش تاریکیِ روزِ من

پھر کہتے ہیں کہ اگر محاسبے کے سوا چارہ نہیں تو سن لے، میں نہ کافر تھا، نہ سوچ اور رات کی پرستش کرتا رہا۔ نہ کسی کو قتل کیا، نہ کسی کو لوٹا:

نگرے کہ آتش بہ گو رم از دست　　بہ ہنگامہ پرواز مورم از دست

تاہم شراب کا حساب بھی لینا ہے تو جمشید، بہرام اور پرویز سے لے:

نہ از من کہ از تاب مے گاہ گاہ　　بہ دریوزہ رخ کردہ باشم سیاہ

. . . .　　. . . . .

بہ ہر جرم کز روے دفتر رسد　　ز من حسرتے در برابر رسد

بفرمائی کیں داوری چوں بود　　کہ از جرمِ من حسرت افزوں بود

ندیم نے بھی اس باب میں ایک شعر کہا ہے جس کا طرزِ بیان بڑا ہی نادر اور دلآویز ہے۔ کہتا ہے:

جزا تو خیر، سزا کے لیے ترستے رہے　　غلام آپ کے اتنے تو بے قصور نہ تھے

خوبیِ اسلوب اور حسنِ ادا کی اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً:

ہم اگر دار پہ کھنچتے بھی تو اے صاحبِ دار　　اپنی ناکردہ گناہی کی قسم ہو جاتے

نہ یہ شبنم ہے، نہ بھٹکے ہوئے تاروں کا ہجوم　　رات کی لاش پہ ٹپکے ہیں سحر کے آنسو

انجمنیں اُجڑ گئیں، اُٹھ گئے اہلِ انجمن　　چند چراغ رہ گئے، جن کی لویں ہیں سینہ زن

ذہن پر تنگ ہوا جب بھی اندھیرے کا حصار　　چند یادوں کے دریچے ہیں، جو کام آئے ہیں

جو بات ذہن میں آئی زباں سے کہ دیں گے　　ندیم، جن کے مقدر بندھے ہیں دار کے ساتھ

شب کے سینے میں کہیں پھوٹ رہی ہے پو بھی　　کبھی دنیا میں اندھیرے نہ جہانگیر ہوئے

اتنا مانوس ہوں سناٹے سے　　کوئی بولے تو برا لگتا ہے

مثلِ خورشید سُوئی ہے افقِ فن پہ طلوع　　یہ حقیقت کہ جو شاعر ہے، وہ انسان بھی ہے

شاعری میں ایک چیز ہے، جسے اصطلاحاً استفادہ کہتے ہیں، یعنی ہر شاعر اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کرتا ہے، اس طرح مختلف اسالیبِ بیان اس کے سامنے آتے رہتے ہیں اور بعض اسالیب سے وہ دانستہ یا نادانستہ (بیشتر نادانستہ) خود بھی کام لیتا ہے۔ اسی طرح بعض اساتذہ نے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

افکار میں جدتیں پیدا کرتا ہے۔ ندیم کے ہاں بھی استفادے کی مثالیں ملتی ہیں، اگرچہ بہت کم ہیں اور جتنی مثالیں میری نظر سے گزریں، اُن میں حسن ہی نظر آیا۔ ملک قمی کا مشہور شعر ہے :

رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر   یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

ندیم کہتا ہے :

پل پل میں تاریخ چھپی ہے، گھڑی گھڑی گرداں ہے ندیم
ایک صدی کی ہار بنے گی، ایک نظر کی بھول یہاں

میرزا غالب کہتے ہیں :

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا   بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

دیکھیے ندیم نے اس اسلوبِ بیان سے کتنا عمدہ شعر پیدا کر لیا :

فقط اک ذوقِ پرستش کی نقوش آرائی   دَیر اگر دَیر نہ ہوتے تو حرم ہو جاتے

خواجہ حافظ کہتے ہیں :

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم   از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

لیکن ندیم نے اسے ایک اور ہی رنگ میں پیش کیا ہے :

ہم تو ہیں حسن کے تاریخ نگار   ہم نے قیصر نہ سکندر دیکھے
نظر آئے انھیں سینے میں بھی سانپ   ہم نے پتھر بھی ثمر دار دیکھے

جو لوگ حقائقِ حیات سے بے بہرہ ہوتے ہیں، انھیں ایک خوب صورت اور نظر افروز منظر میں بھی خطرے دکھائی دیتے ہیں، لیکن حقیقت شناس کو سنگلاخ چٹانیں بھی ثمر وری سے معمور نظر آتی ہیں۔

میں نے ندیم کی شاعری کے متفرق پہلو جنھیں میرے نزدیک بنیادی حیثیت حاصل ہے پیش کر دیے۔ ممکن ہے اس طرح کلامِ ندیم کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے کسی حد تک سہولت کا انتظام ہو جائے۔ مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ نہ میں فنی نقاد ہوں نہ اس نقد و تبصرہ کو فنی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک عام خواندے کی حیثیت میں جو پہلو مجھے دلکش نظر آئے انھیں اپنی بساطِ نظر کے مطابق صفحۂ قرطاس پر پھیلا دیا ہے۔ اور اربابِ فن ایسی کسی چیز کے محتاج نہیں۔ مجھ ایسے لوگوں

کے لیے خامہ فرسائی کا یہ ناچیز اندوختہ شاید معاون ثابت ہو سکے۔ ندیم کی شاعری کا ایک جامع مرقع "شعلۂ گل" کی نظم "ادب و سیاست" میں پیش ہوا ہے۔ اس میں وہ کہتا ہے کہ اگر آدم افگنی کا دستور ہی جزوِ ریاست ہے۔ اگر انسان فروشی اب بھی جائز ہے۔ اگر آزادی کی تمنا اور انصاف کا تقاضا آج بھی جرم ہے :

اگر روٹی طلب کرنا جہالت ہے، بغاوت ہے   توکّل کا عقیدہ ہی اگر محنت کی اُجرت ہے
تو میں ایسی سیاست پر فدا ہونے سے باز آیا
محبت میری فطرت، آدمیت میرا سراپا

میرے پیشِ نظر رعنائی، امن، جوانی اور انسان کا حسن جاودانی ہے۔ میں مشینوں کے دھوئیں کو جانسپاری کی اُجرت اور مرصع گالیوں کو خدمت گزاری کی قیمت نہیں سمجھتا۔ میرا نصب العین یہ ہے کہ محنت کش دہر کے آقا بنیں اور تخلیق خالق کے پہلو میں بیٹھے۔ مجھے ماؤں کو فقر و فاقہ سے آزاد کرنا ہے اور بچوں کے چہروں میں گلابی رنگ بھرنا ہے :

محبت چاہیے مجھ کو، صباحت چاہیے مجھ کو   بغاوت ہے اگر یہ تو بغاوت چاہیے مجھ کو
یہی میرا ادب ہے اور یہی میری سیاست ہے
مرے جمہور ہی سے میری فن کاری عبارت ہے

میرے جمہور کے خون سے ایوان بجتے رہے، اب ان کے قدموں کی چاپ سے آمروں کے کان بجتے ہیں :

وہ اُٹھے قافلہ در قافلہ پورب سے پچھم سے   وہ لپکے کارواں در کارواں اقصائے عالم سے
ملوں سے مرغزاروں سے بنوں سے کوہساروں سے   دکانوں سے گھروں سے علم و دانش کے اداروں سے
خلش اُن کے دلوں میں اجتہاد ان کی نگاہوں میں   بچھی جاتی ہیں جمہوری روایات ان کی راہوں میں
مرا فن ان کی عظمت کا جب استقبال کرتا ہے   تو استحصال مجھ پر کفر کا الزام دھرتا ہے
اگر یہ کفر ہے اس کفر کو ایماں بنا دوں گا
مگر دم ظلمتِ شب کے ترانے میں نہ گا دوں گا

یہ ۱۹۵۰ء کی نظم تھی۔ ندیم نے ۱۹۴۲ء میں یعنی اب سے بائیس سال پیشتر دعائیہ انداز

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں ایک نظم کہی تھی۔ اس میں بھی یہی ترتیب پائی جاتی ہے۔ اسی پر اپنی گزارشات ختم کرتا ہوں!

کملائی ہوئی روح کو یارب! گلِ تر کر — اس جامِ سفالیں کو کبھی ساغرِ زر کر
جب تیرے اشارے سے چٹک جاتے ہیں غنچے — امید کی منہ بند کلی پر بھی نظر کر
دل کو۔ جسے خاکسترِ دل کہتی ہے دنیا — انوار کی لَو ڈال کے تابندہ شرر کر

. . . .

گر نخلِ تمنّا کو ثمرور نہیں کرتا — افسانۂ اکرام بہ عنوانِ دگر کر
اس پر بھی اگر تیرا اکرم کچھ نہیں کرتا — گستاخ کلامی سے مری قطعِ نظر کر
یہ بھی نہیں منظور تو اے مبدءِ الطاف
احساس مرا چھین، مجھے خاک بسر کر

مسلم ٹاؤن، لاہور
یکم فروری ۱۹۶۳ء

(مولانا) غلام رسول مہر

urdukutabkhanapk.blogspot.com